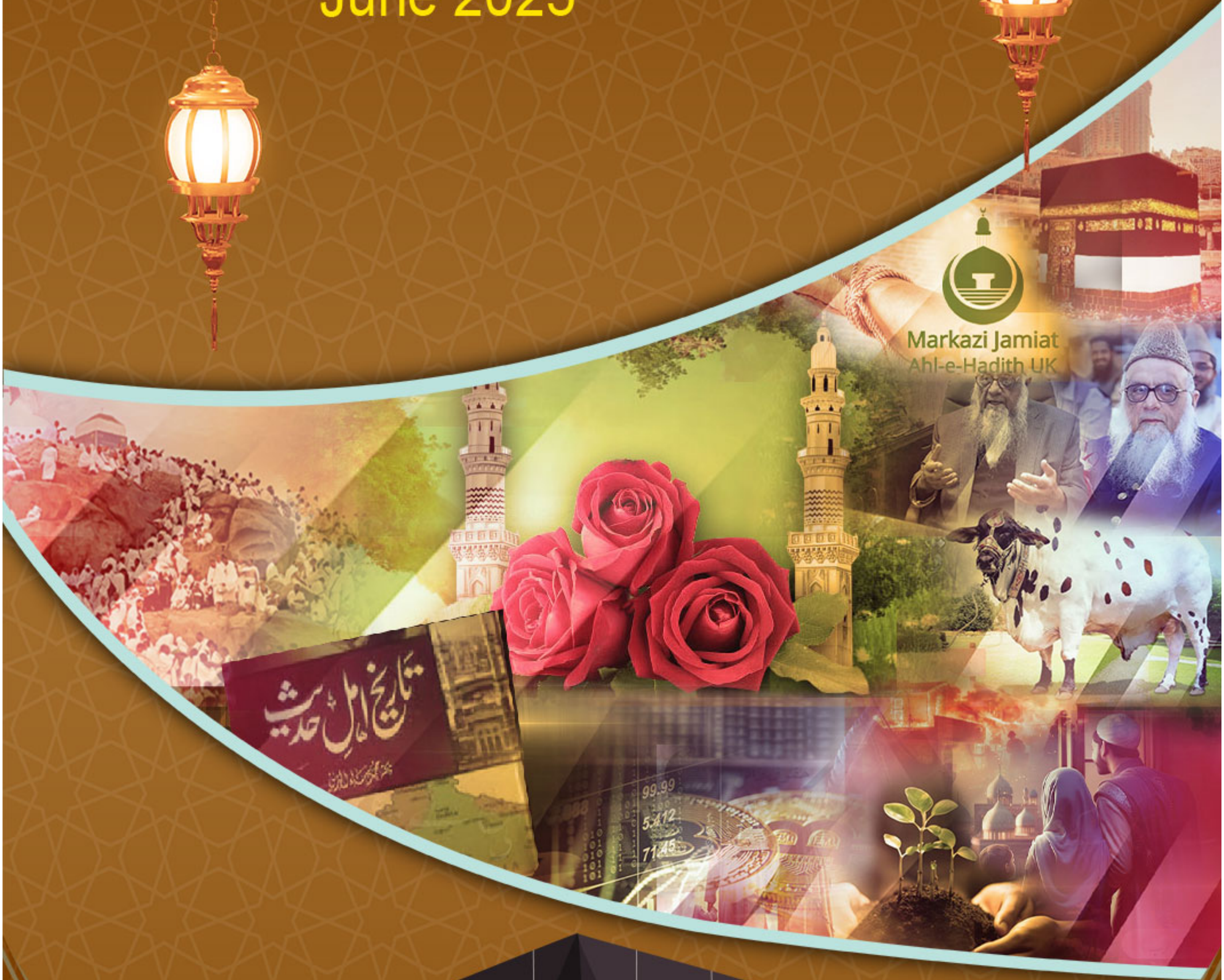
ماہنامہ

صراطِ مستقیم

برمنگھم

June 2025





وَمَنْ يَعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ إِلٰى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ

صراطِ مستقیم برمنگھم

بیاد

مولانا فضل کریم عاصم رحمہ اللہ

مولانا محمود احمد میر پوری رحمہ اللہ

Vol: 45 No. 08 June 2025

Dhul Hijjah/Muharram1446-1447 AH

جلد: 45 شمارہ: 08 جون2025ء

ذوالحجہ/محرم الحرام: 1447-1446ھ

فہرست مضامین

عنوان	مضمون	مصنف	صفحہ
فکر و نظر	میر کارواں کی رحلت (خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوہ دانش فرنگ)	مولانا محمد عبدالہادی العمری	03
احکام و مسائل	قربانی کے احکام و مسائل قرآن وحدیث کی روشنی میں	الشیخ اکرم الٰہی	07
حقوق و آداب	والدین کی وفات کے بعد ان سے نیکی کے طریقے	محمد زبیر کلیم (داعی ومدرس، جالیات، سعودی عرب)	13
سیرت رسول	رسول اللہ ﷺ کا پیغام اساتذہ کے نام	محمد عبدالرحیم خرم عمری جامعی	16
فضائل و مسائل	فضائل ذوالحجہ ومسائل قربانی	ڈاکٹر عبدالرب ثاقب ڈڈلی	22
یادِ رفتگاں	پروفیسر ساجد میر رحمہ اللہ کو لوگ نہیں جانتے!	یوسف سراج (اینکر پیغام ٹی وی)	25
تعزیت	تعزیتی مراسلہ	مرکزی جمعیت اہلحدیث برطانیہ	27
حدیث و علوم الحدیث	عمدة الأحكام، کتاب الصلوٰۃ: فوت شدہ نمازوں کے متعلق (قسط49)	فضل الرحمٰن حقانی، خطیب وامام محمدی مسجد نیلسن یوکے	28
فقہ و فتاوی	سوالات کے جوابات	ڈاکٹر صہیب حسن (لندن)	30
معاشی نظام	Cryptocurrency کی تکنیکی حقیقت اور شرعی حیثیت (قسط2)	ڈاکٹر سید حسین مدنی	32
تاریخ	تاریخ اہل حدیث	ڈاکٹر بہاؤالدین	36

Correspondence Address:

SIRATE-MUSTAQEEM

20 Green Lane, Small Heath,

Birmingham B9 5DB

Tel: 0121 773 0019

Fax: 0121 766 8779

ناشر: مرکزی جمعیت اہل حدیث برطانیہ

Markazi Jamiat Ahl-e-Hadith UK

www.mjah.org.uk/siratemustaqeem

E-mail: info@mjah.org.uk



میر کارواں کی رحلت

(خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوہ دانش فرنگ)

مولانا محمد عبدالہادی العمری

محترم پروفیسر حافظ ساجد میر رحمہ اللہ کے ساتھ میری پہلی ملاقات ممتاز عالم دین مولانا محمود احمد میر پوری رحمہ اللہ، ناظم اعلیٰ مرکزی جمعیت اہلحدیث، برطانیہ کی رہائش گاہ واقع برمنگھم میں اس وقت ہوئی جب موصوف شہرہ آفاق قائد اہلحدیث بے باک خطیب علامہ احسان الٰہی ظہیر رحمہ اللہ کی معیت میں انگلینڈ تشریف لائے تھے، یہ اس وقت کی بات ہے جب محترم پروفیسر صاحب کی ریش میں بہت کم سفید بال تھے، تنظیمی طور پر ان کا کوئی عہدہ مرکزی جمعیت میں نہیں تھا، دوران گفتگو اہل علم خطباء اور ان کی تصنیفات کا تذکرہ چھڑا، علامہ صاحب نے چند انگریزی کتب اور خطباء کے حوالہ سے پروفیسر صاحب کی طرف اشارہ کر کے کہا ان کتابوں میں زبان و بیان کی کچھ خامیاں ہیں، میری پروفیسر صاحب کے ساتھ اس مسئلہ میں تفصیلی گفتگو ہو چکی ہے، اب میرا تجسس بڑھا کہ یہ کون صاحب ہیں جن کی قدر دانی علامہ صاحب کرتے ہوئے ان کے علم و تحقیق پر اعتماد کا اظہار کر رہے ہیں، پھر پروفیسر صاحب کا تعارف کروایا گیا کہ متحدہ ہندوستان میں قافلہ اہلحدیث کے سالار مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی رحمہ اللہ کے خانوادہ کے چشم و چراغ ہیں، یوں پہلے ان کی گفتگو سنی اور علامہ صاحب کے تزکیہ اور اعتماد نے مجھے متاثر کیا پھر نام اور پتہ معلوم ہوا:

مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید

کہ عمدہ خوشبو اپنی مہک سے جانی جاتی ہے نہ کہ عطر فروش کے اشتہار سے، اس تعارف کے ساتھ کہ وہ خانوادۂ میر کی لڑی سے ہیں، میری محبت عقیدت کا روپ دھار چکی تھی، شاید ہی برصغیر کا کوئی دینیات کا طالب علم میر سیالکوٹی سے ناواقف ہو، ہم جنوبی ہند کی درسگاہ جامعہ دار السلام عمر آباد میں زیر تعلیم اور کم عمر تھے، ہمارے تفسیر کے استاذ مولانا سید امین احمد عمری رحمہ اللہ کئی بار دوران تدریس یا خطبات جمعہ میں محترم میر سیالکوٹی کے فرمودات اور تفسیری نکات سنایا کرتے کہ اس مسئلہ میں ہمارے استاذ مولانا ---کی یہ رائے تھی۔ انتہائی ادب کے ساتھ جب بھی نام لیتے پورا نام لے کر فرماتے۔ مولانا سید امین جب تقسیم ہند سے بہت پہلے درس نظامی سے فارغ ہوئے تو جامعہ عمر آباد نے چند ہونہار فارغین کو مزید علم حاصل کرنے کے لیے مختلف مقامات اور مشاہیر کی خدمت میں بھیجا، استاذ محترم کو سیالکوٹ بھیجا گیا، اس وقت میر سیالکوٹی کا حلقہ درس قرآن جو علماء و فضلاء جامعات کے لیے مختص تھا اس میں شرکت کی۔ واپسی پر جامعہ میں مدرس متعین ہوئے اور بنیادی طور پر تفسیر ہی آپ کا مضمون رہا۔ غرض محترم پروفیسر صاحب کے ساتھ اس پہلی ملاقات سے جو رشتۂ مودت قائم ہوا، اخیر تک برقرار رہا، سفر و حضر میں ہماری متعدد ملاقاتیں مختلف مناسبتوں سے متواتر ہوتی رہیں، متنوع عنوانات زیر بحث رہتے، مسلکی دعوتی موضوعات پر اتفاق اور بعض سیاسی امور میں خصوصاً اختلاف رائے بھی ہوتا، انسانی طبیعت اور فکر و نظر کے پیمانے کچھ ایسے ہیں کہ کلی اتفاق کسی کے ساتھ بھی ممکن نہیں۔ سیاسی مسائل میں عموماً ان کا جواب ہوتا کہ بعض باتیں مقامی حالات اور حکمت کی متقاضی ہوتی ہیں، انہیں اسی تناظر میں دیکھنا چاہیے، ان میں ایک سے زیادہ آراء ہو سکتی ہیں۔

ہماری نظر میں جو مفید ہو آپ کی نظر میں غیر مفید بھی ہو سکتی ہے۔ کمال کی وسعت نظری تھی کہ ہمارے ان اختلافات کو وہ خندہ پیشانی سے سنتے، واقعی تبسم فرماتے ہوئے ضرورت کے مطابق الفاظ میں جواب دے دیتے اور کبھی صرف مسکراہٹ سے جواب دیتے، شاید اس حدیث پر عمل کرتے "من صمت نجا" خاموشی میں نجات ہے۔ ویسے بیرون پاکستان دوروں میں وہ ایک دینی رہنما اور قائد جماعت اہلحدیث ہی کی حیثیت سے پیش ہوتے۔ سیاسی امور پر کم اظہار خیال کرتے، حالانکہ سینٹ کے مسلسل پانچ میعاد کے لئے ممبر منتخب ہوئے تھے لیکن ان کی ترجیح دعوتی امور، جماعتی مسائل اور دینی باتوں کے گرد گھومتی، وہ واقف تھے کہ یہاں اخوان اور احباب کے ساتھ ان کی وابستگی اور تعلق کی بنیاد دین اور اخوت اسلامی کا رشتہ ہی ہے، لہٰذا اسی کو عملی طور پر بھی اولیت دینی چاہیے، برطانیہ میں ان کے عقیدت مندوں کی بڑی تعداد ہے، ان کی تشریف آوری سے قبل ہی پروگرام طے ہو جاتے، آمد سے پہلے ہی بتا دیا کرتے کہ اس مرتبہ کتنے دن کا دورانیہ ہوگا تاکہ پروگرام مرتب کرنے میں سہولت ہو سکے۔ خطبات جمعہ یا عام تقاریر کے لیے کچھ اہم نکات نوٹس کی شکل میں تیار کر لیا کرتے کہ گفتگو مقررہ عنوان کے دائرہ میں رہے اور ترتیب کے ساتھ اپنا موضوع مکمل کر لیں۔

مشہور ائمہ اور فقہاء کے متعلق بعض نوجوان علماء اور جذباتی خطباء کی بے احتیاطی اور مسائل میں فتوی بازی اور عجلت سے وہ شاکی رہتے کہ نہ یہ ہماری دعوت کا درست اسلوب ہے اور نہ ہی مسلک اہلحدیث کا یہ نظریہ ہے،، انہوں نے مولانا ابراہیم میر رحمہ اللہ کا ذاتی واقعہ بیان کیا کہ جن دنوں برصغیر میں فقہاء کرام کے حوالہ سے موضوع گرم تھا، مولانا سیالکوٹ اپنے کمرہ میں بیٹھے مطالعہ کر رہے تھے، اچانک انہیں محسوس ہوا کہ جیسے کسی نے بتی گل کر دی اور کمرہ میں تاریکی چھاگئی، کچھ دیر بعد مولانا نے اپنے سر کو جنبش دیتے ہوئے ارد گرد کا جائزہ لیا، بتی تو روشن تھی، پھر

انہوں نے ارادہ کرلیا کہ میں قرآن وسنت اور مسلک حق کی حمایت میں تو بھرپور گفتگو اور دفاع کروں گا لیکن ائمہ اور فقہاء کرام کی شان میں ادنی درجہ کی بے ادبی بھی نہیں کروں گا، یہی مزاج محترم پروفیسر صاحب کا تھا، اہل علم کی مساعی جمیلہ کی قدر کرتے، لیکن امام مالک رحمہ اللہ کے قول پر عمل کرتے ہوئے "کل منا یوخذ و یرد الا صاحب ھذا القبر" ہر ایک کی بات لی بھی جاسکتی ہے اور ترک بھی کی جاسکتی ہے، صرف رسول اللہ ﷺ کو یہ مقام بلند حاصل ہے کہ آپ کی کوئی بات ترک نہیں کی جاسکتی۔ قیام برطانیہ کے دوران کسی شہر سے دوسرے شہر جاتے ہوئے ان کا معمول تھا اپنے ساتھ مصحف رکھتے، گاڑی میں سوار ہوتے ہی کچھ دیر خیر خیریت اور دعاء سفر پڑھتے پھر تلاوت شروع کردیتے، درمیان میں کسی خاص نکتہ پر اظہار خیال کرنا ہو تو وقفہ کرلیتے ورنہ منزل تک تلاوت جاری رکھتے۔

فارغ اوقات میں سیر و تفریح کے پروگرام آثار قدیمہ کی وزٹ میں رفقاء سفر کے ساتھ بے تکلفانہ گفتگو جاری رکھتے، حسب ضرورت ظریفانہ جملوں، لطیفوں اور مناسب اشعار سے محفل کو بیدار رکھتے، ایسے سفر میں نہ وہ روایتی سینیٹر لگتے اور نہ ہی قائد جمعیت بلکہ ساتھیوں کے ساتھی اور رفیق سفر ہی دکھائی دیتے۔

ہو حلقہ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مؤمن

تاہم سیر و سیاحت ہو یا کاروبار و تجارت نمازوں کے اہتمام میں کوتاہی ان کے لیے ناقابل برداشت ہوتی، بلکہ ساتھیوں کو مناسب انداز سے تنبیہ بھی کرتے رہتے، یہ نہیں کہ رفقاء کے ساتھ ایسے موقعوں پر رعایت کی جائے۔

انگلینڈ کے ایک دورہ میں جب مسلم لیگ کا طوطی بول رہا تھا، برمنگھم میں موجود کچھ سیاسی شخصیات پروفیسر صاحب سے ملاقات کے لیے حاضر ہوئیں، ہوسکتا ہے ان کی توقعات عام سیاسی لیڈروں جیسی رہی ہونگی، پروفیسر صاحب جمعیت اہلحدیث کے مرکزی دفتر کے ایک کمرہ میں بیٹھے تلاوت کر رہے تھے، سیاسی وفد انتظار گاہ میں منتظر تھا، ہم نے سوچا کہ شاید پروفیسر صاحب آج کی اس ملاقات یا وفد کی آمد سے بے خبر ہیں، انہیں اشارہ کیا گیا لوگ آپ کے منتظر ہیں لیکن انہوں نے تلاوت منقطع نہیں کی، مکمل کر کے ہی تشریف لے آئے، وفد میں شامل اکثر لوگ اس سینیٹر کی ادائے قلندری پر حیران تھے، کچھ تو اس کا اظہار بھی کر رہے تھے، ان کے حساب سے سیاسی رہنماؤں کو تلاوت و امامت سے کیا سروکار، ان کے لیے یہ کام تبرک کی حد تک ہی ہوتے ہیں، باقی ان کی جولان گاہیں کسی اور نوعیت کی ہوتی ہیں۔

لوگ نہیں جانتے کہ اس بزم سیاست میں معدودے چند ہی سہی، کچھ ایسی شخصیات بھی ہیں جو دن میں ایوان سیاست کے ہیرو ہوتے ہیں تو رات عبادت میں بسر کرتے ہیں، ان کے پاکیزہ کردار اور اعلیٰ صفات سے ایوان سیاست تو مقدس ہو جاتا ہے لیکن ان کا اپنا دامن عفت و عصمت داغدار نہیں ہوتا، وہ اپنے وجود سے ایوان سیاست کو بہت کچھ دیتے ہیں لیکن اپنے لیے بدلہ میں اس سے کچھ حاصل نہیں کرتے، بلا شک وشبہ ایسے ممبران سے ایوان کا قد کاٹھ بڑھ جاتا ہے، یہ لوگ خار دار سیاست سے اپنا دامن بچا کر ایسے گذرتے ہیں کہ مخالفین اور معاندین خورد بین لے کر بھی ان کے کردار کی عظمت گھٹا نہیں سکتے۔

پروفیسر صاحب نے بتایا کہ ایک سال سینٹ کا اجلاس رمضان میں تھا اور قواعد کے مطابق ممبران کی حاضری ضروری تھی، یہ سال میرے لیے کٹھن گذرا کہ صبح اسلام آباد پہنچنا، اور اجلاس میں شرکت کے بعد سیالکوٹ واپس آکر تراویح میں قرآن سنانا، آمد و رفت کے دوران ہی پارہ کا اعادہ اور نیند بھی پوری کرنی ہوتی لیکن تراویح میں ناغہ میرے لیے قابل قبول نہیں تھا۔

مکہ مکرمہ میں رابطہ عالم اسلامی کے زیر اہتمام عالمی کانفرنس کے دوران دیکھا کہ پروفیسر صاحب کانفرنس کا ٹائم ٹیبل دیکھ کر ان کی کوشش ہوتی، فارغ اوقات میں زیادہ وقت حرم شریف کے اندر گزاریں، اگرچہ کہ مہمانوں کے لیے پانچ ستارہ ہوٹل میں قیام و طعام کے اعلیٰ انتظامات کئے گئے تھے، پروفیسر صاحب ان چیزوں سے بے نیاز حرم کا رخ اختیار کرتے، اپنے ساتھ ایک مختصر سائز کا بیگ رکھتے، جب مسجد حرام کے گیٹ پر پہنچتے اپنے چپل اس میں رکھ لیتے کہ مال عرب پیش عرب، تاکہ کسی بھی دروازہ سے باہر نکلنے میں سہولت ہو سکے اور پھر ارد گرد کے ماحول سے بے خبر کبھی طواف میں کبھی نوافل یا تلاوت میں مصروف رہتے۔ انگلینڈ کے علاوہ یورپی ممالک کے کئی سفر ہم نے اکٹھے کئے، ڈنمارک کوپن ہیگن میں سعودی عرب کی وزارت مذہبی امور کی جانب سے 11/ ستمبر 2001ء کے حادثہ سے صرف دو دن پہلے سہ روزہ عالمی کانفرنس غیر مسلم اکثریتی ممالک میں مسلم اقلیت کے مسائل کے عنوان سے سے منعقد ہوئی، مشہور زمانہ 9/11 حادثہ سے دو دن پہلے یہ کانفرنس ختم ہوئی، پھر دنیا کا دھارا ہی بدل گیا، برطانوی وزیر اعظم نے اعلان کر دیا کہ اب میدان کے قواعد بدل چکے ہیں اور امریکی صدر نے کہا کہ آپ ہمارے ساتھ ہیں یا دہشت گردوں کے ساتھ یعنی تیسرے راستہ یا امکان کو ہی ختم کر دیا، بہرحال اس اہم کانفرنس میں محترم پروفیسر صاحب پاکستانی وفد کی قیادت کر رہے تھے اور میں انگلینڈ کے مختلف ساتھیوں کے ساتھ شریک تھا، افتتاحی اجلاس کے بعد کانفرنس کی مختلف نشستیں طئے تھیں، پہلی نشست میں میرا مقالہ تھا جو ڈاکٹر عبد اللہ بن محمد آل الشیخ وزیر عدل سعودیہ کی صدارت میں منعقد ہوا، امام حرم الشیخ عبد الرحمن السدیس سمیت کئی نامی گرامی شخصیات جمع تھیں، مقالہ کتابی شکل میں شرکاء کو دے دیا گیا تھا، مجھے اس کا خلاصہ بیان کرنا تھا، اس میں عرب ممالک میں دین بیزاری اور مغربی ممالک میں دینی بیداری کے حوالہ سے میں نے واقعاتی تناظر میں کچھ باتیں کہیں کیونکہ بعض علماء خصوصاً عرب ممالک میں رہنے والے دیار غرب میں مسلمانوں کے قیام کے خلاف سخت بیانات دیتے ہیں، جبکہ صورتحال یہ ہے کہ انگلینڈ، فرانس، جرمنی، ہالینڈ، اٹلی وغیرہ

میں میں لاکھوں کی تعداد میں ایسے عرب مسلمان ہیں جو اپنی جان، مال اور دین کی حفاظت کی خاطر اپنے ملکوں سے بھاگ کر یہاں پناہ لیے ہوئے ہیں، یہاں انہیں باعزت زندگی گزارنے کی ضروری سہولیتیں حاصل ہیں اور صورتحال یہ ہے کہ ہم بیشتر عرب ممالک میں مقیم غیر ملکی مسلمانوں کی تیسری نسل کو بھی اقامہ اور پاسپورٹ کی وہ سہولتیں حاصل نہیں، جس کے ان ممالک میں چند سالوں کے قیام سے ہی وہ مستحق ہو جاتے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ، صدر اجلاس وزیر عدل نے سراہتے ہوئے کہا کہ اس میں نہایت جرات مندانہ موقف اختیار کیا گیا، اکثر مشائخ اور شرکاء نے بہت پسند کیا۔ ان سب سے بڑھ کر میرے لیے پروفیسر صاحب کے کلمات خیر تھے کہ ”بلاخوف لومۃ لائم“ آپ نے دوٹوک بات کی۔

دوسری مرتبہ ڈنمارک کا سفر ہمارا وہاں کی مسلم کمیونٹی کی دعوت پر ہوا تھا، ان دنوں پروفیسر صاحب برطانیہ کے دورہ پر تھے، وہاں ہمارا قیام بھی ایک ہی گھر میں تھا، سفر میں بہت سے تجربات ہوتے ہیں۔ ہمیں لگتا تھا کہ پروفیسر صاحب خود اپنے سے زیادہ ساتھیوں کا خیال رکھتے ہیں حالانکہ ہم عمر اور مرتبہ میں بہت کم تھے ۔سفر میں بھی ان کے دینی معمولات، اذکار و وظائف اور تلاوت کا التزام جاری رہتا، جب ہم کوپن ہیگن پہنچے دوست احباب سے ملاقات اور عشائیہ سے فارغ ہوتے ہوتے دیر ہوگئی، تکان جلد بستر کا تقاضا کر رہی تھی، پروفیسر صاحب نے مجلس برخاست کرتے ہوئے کہا کہ کچھ نوافل پڑھ لوں، سونے سے قبل قیام اللیل رہ نہ جائے، یورپ میں موسم گرما کے دوران راتیں مختصر ہوتی ہیں، فجر کا وقت تین بجے سے پہلے شروع ہو جاتا ہے۔ ایسے میں تہجد کے لیے بیداری نسبتا زیادہ مشکل ہوتی ہے لیکن گرمی ہو یا سردی پروفیسر صاحب کا معمول کچھ یوں تھا:

زمستانی ہوا میں گرچہ تھی شمشیر کی تیزی
نہ چھوٹے مجھ سے لندن میں بھی آداب سحر خیزی

واپسی میں ہمیں گلاسگو ائیر پورٹ پہنچنا تھا، اسکاٹ لینڈ جمعیت اہلحدیث کے پروگرام میں شرکت کے لیے ہم دونوں پاسپورٹ کے مطابق الگ الگ قطاروں میں لگ گئے، میری کاروائی مختصر وقت میں مکمل ہو گئی، میں کاؤنٹر کے باہر پروفیسر صاحب کا انتظار کر رہا تھا، قدرے تاخیر سے وہ باہر نکلے میں نے استفسار کیا کہ آپ کا تو ڈپلومیٹ پاسپورٹ ہے، مزید سرعت سے کام ہونا چاہیئے، روایتی مسکراہٹ کے ساتھ انہوں نے جواب دیا کہ ہمارے ملک کی جتنی اہمیت ہے پاسپورٹ کی بھی اسی حیثیت سے اہمیت ہوتی ہے، اسی قسم کا پاسپورٹ کسی مغربی ملک کا ہو تو اسے خصوصی پروٹوکول ملتا ہے، وہاں امیگریشن آفیسرز نے روٹین کے مطابق پروفیسر صاحب سے کچھ سوالات کئے کہ آپ کی مصروفیات کیا ہیں، حالانکہ پاسپورٹ میں سینیٹر درج ہے، جواب کے بجائے پروفیسر صاحب نے کہا کہ تمہیں نہیں معلوم کہ سینیٹر کا کام کیا ہوتا ہے، شستہ انگریزی میں اس مرد قلندر کی جانب سے ایسے کھرے جواب کی اسے توقع نہیں رہی ہو گی، اسے پہلے ہی سوال سے اندازہ ہو گیا کہ میں کس سے مخاطب ہوں، ”خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوہ دانش فرنگ“

دورۂ ہند: مشہور درسگاہ جامعہ محمدیہ مالیگاؤں بمبئی کی جانب سے منعقد ہونے والی کانفرنس میں شرکت کے لیے علامہ الشیخ بدیع الدین راشدی رحمہ اللہ کے ساتھ محترم پروفیسر صاحب اور دیگر علماء ہندوستان تشریف لائے، اس پروگرام میں راقم بھی بحیثیت مقرر مدعو تھا، پاکستانی وفد مالیگاوں میں واقع علمی بستی منصورہ جسے وہاں کے محسنین خصوصا مولانا مختار احمد ندوی امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند نے خون جگر سے سینچا تھا، وہ ایک عام درسگاہ نہیں بلکہ علمی بستی تھی، دینی تعلیم، درس نظامی کا عمدہ انتظام لڑکوں کے لیے، اسی معیار کا اعلیٰ بندوست لڑکیوں کے لیے، اس سے متصل محمدیہ طبیہ کالج، اس کے ساتھ بوٹانیکل گارڈن، وسیع وعریض مسجد وغیرہ وغیرہ، پاکستانی وفد جب پہنچا مولانا مختار ندوی نے اپنی ٹیم کے ساتھ پورے تپاک سے مہمانوں کا استقبال کیا اور مکمل احترام کے ساتھ جب یہ وفد سٹیج پر جلوہ افروز ہوا تو طلبہ، اساتذہ اور عام شرکاء کا اشتیاق دیدنی تھا، افتتاحی نشست کے بعد محترم پروفیسر صاحب نے روایتی مسکراہٹ کے ساتھ کہا کہ یہاں مجمع بہت پر سکون رہتا ہے، اسی نوعیت کا اجتماع اگر ہمارے ہاں ہو اور اتنے لوگ جمع ہوں تو نہ جانیں فضا کون کونسے نعروں سے گونج اٹھتی، مولانا مختار ندوی جو اس پروگرام کے روح رواں تھے اس وفد کی آمد پر جہاں اپنی مسرت کا اظہار کر رہے تھے وہیں انہیں ایک ہلکا سا کھٹکا بھی لگا ہوا تھا کہ پروفیسر صاحب سینیٹر بھی ہیں، کہیں سیاسی موضوعات پر گفتگو نہ شروع کر دیں، کیونکہ اجتماع میں موجود خفیہ کرم فرماں ایسی باتوں کو اچک لیں گے، ایجنسی کے کارندوں کو مذہبی اور مسلکی باتوں سے سروکار نہیں، تاہم پروفیسر صاحب کے مزاج آشنا جانتے تھے کہ وہ داعی دین پہلے ہیں اور سیاست دان بعد میں، اس دورہ میں مختلف اجتماعات ہوئے اور پاکستانی وفد پر ہندوستانی مسلمان عقیدت کے پھول نچھاور کرتے رہے، پروفیسر صاحب نے عقیدہ، مسلک اور دعوت دین وغیرہ وغیرہ عنوانات پر سیر حاصل گفتگو کی لیکن سیاسی مسائل کو چھ ہی نہیں کیا جیسے میدان سیاست سے ان کا تعلق نہیں، یوں خفیہ ریکاڈنگ یار پورٹنگ کرنے والوں کو مایوسی ہوئی ہوگی، یہ نرالی شان کے سینیٹر ہیں کہ سارے دورہ میں انہوں نے نہ یہاں کے سیاسی مسائل چھیڑے اور نہ ہی سرحد پار کی باتیں، کیا واقعی یہ سینٹ کے ممبر ہیں یا ایک عالم دین، بلکہ طرفہ تماشہ یہ کہ علامہ بدیع الدین شاہ خطبہ جمعہ میں طاغوت کی تشریح کرتے ہوئے کچھ سیاسی باتیں بھی اپنے مخصوص انداز سے کہیں، لیکن ان کی یہاں شہرت عالم دین اور روحانی پیر کی حیثیت سے تھی، ان کی تلخ توانائی گوارہ تھی، مالیگاؤں کی معزز شخصیت ڈاکٹر فیضی فرزند خلیل سیٹھ رحمہ اللہ جو اس منصوبہ منصورہ کے دست راز تھے مولانا ندوی کے انہوں نے معززین کی ضیافت کا اہتمام کیا تھا، محفل میں موجود لوگ مختلف قسم کے سوالات کرتے رہے، پروفیسر صاحب آزادی سے قبل تحریک اہلحدیث اور اس سے وابستگان کی

قربانیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے معلومات کا دریا بہاتے رہے، وہاں بھی بعض سیاسی نوعیت کے سوالات کا جچا تلا مختصر سا جواب دیتے کہ سانپ بھی مر جائے لاٹھی بھی نہ ٹوٹے، حالانکہ اس نشست کی حیثیت جلسۂ عام کی نہیں تھی، گویا وہ مکمل محتاط تھے :

هر بیشه گمان مبر که خالیست
شاید که پلنگ خفته باید

جنگل میں یہ خیال نہ کرو کہ خالی ہے، ممکن ہے کسی درخت کی اوٹ میں کوئی چیتا سو رہا ہو۔

قائدانہ حکمت وبصیرت اور دور اندیشی بہت ضروری ہے، جو پروفیسر صاحب کا وصف تھا۔

پروفیسر صاحب کا بیرون پاکستان مقام کیا تھا، اس واقعہ سے سمجھا جا سکتا ہے کہ ایک سال رابطہ عالم اسلامی کی جانب سے مکہ مکرمہ میں بہت ہی نازک حالات میں عالمی کانفرنس منعقد ہوئی، اس میں خادم الحرمین الشریفین ملک فہد بن عبد العزیز کو شرکت کرنی تھی لیکن اپنی علالت کے باعث وہ تشریف نہ لاسکے، چنانچہ شرکاء کانفرنس کی جانب سے ایک وفد تشکیل دیا گیا چند افراد پر مشتمل تاکہ یہ شاہ فہد کی خدمت میں پہنچ کر ان سے براہ راست گفتگو کریں، اس وفد میں ہمارے محترم پروفیسر صاحب بھی شامل تھے جو سعودی عرب کے مفتی عام کی سربراہی میں قصر شاہی پہنچا اور ملک سے ملاقات کر کے صورتحال سے آگاہ کیا۔ یہی اعزاز کسی اور کو ملتا تو نہ جانے کس کس جگہ اس کا تذکرہ کیا جاتا۔

محترم پروفیسر صاحب کی زیر نگرانی ملک کے طول و عرض میں متعدد عوامی اجتماعات اور کانفرنسیں منعقد ہوتی رہیں، جن چند کانفرنسوں کو فوقیت حاصل ہے ان میں نومبر 1992ء کو مینار پاکستان لاہور میں منعقد ہونے والی کانفرنس ہے، اس میں بطور مہمان خصوصی امام حرم الشیخ محمد بن عبد اللہ السبیل رحمہ اللہ جو شیدائی سلفیت تھے تشریف لائے اور بیرون ملک سے کئی نامی گرامی علماء شریک تھے، انڈیا سے مولانا عبد الوہاب خلجی ناظم اعلی جمعیت اہلحدیث ہند، نیپال سے مولانا عبداللہ مدنی جھنڈانگری، برطانیہ سے راقم کو شرکت کی سعادت حاصل ہوئی، کانفرنس کی شب پانچ ستارہ ہوٹل میں مہمانوں کے لیے استقبالیہ تقریب رکھی گئی تھی، محترم پروفیسر صاحب پروگرام کی کامیابی کے لیے انتہائی متحرک تھے، ہمارا قیام لوئر مائل لاہور کے ایک گیسٹ ہاؤس میں تھا، پروفیسر صاحب بنفس نفیس مہمانوں کی خبر گیری کے لیے وہاں پہنچے، اس وقت دلچسپ صورتحال پیدا ہوگئی جب پروفیسر صاحب باڈی گارڈز کے جھرمٹ میں پہنچے تھے ہم میں کسی نے بھی اس سے پہلے پروفیسر صاحب کا یہ انداز نہیں دیکھا تھا ویسے بھی ان کے ساتھ ہماری ملاقاتیں بیرون پاکستان ہی ہوتی رہیں، بھائی عبد اللہ نیپالی کو شاید یقین نہیں آرہا ہو گا انہوں نے بندوق بردار سے پوچھ ہی لیا کہ کیا واقعی یہ سچ مچ میں بندوق ہی ہے، وہ بھی ان کی سادگی پر مسکرائے بغیر نہ رہ سکا، پھر ہمیں بتایا گیا کہ اس وقت یہ یہاں کے حالات کے مطابق ایک ضرورت ہے، خصوصا ایسی بڑی کانفرنس کے موقع پر ورنہ پروفیسر صاحب کو انتہائی سادگی کے انداز میں دیکھنے کے عادی تھے، شرکاء، علماء اور خطابات کے اعتبار سے یہ تاریخی کانفرنس تھی، محترم امام حرم مہمان علماء اور معززین شہر کے لیے محسن جماعت میاں فضل حق رحمہ اللہ کی رہائش گاہ واقع ملتان روڈ پر بھرپور ضیافت کا اہتمام کیا گیا تھا، کانفرنس کی کامیابی ذمہ داروں سمیت پروفیسر صاحب کی مرہون منت تھی۔ کانفرنس کے دوسرے دن ہم مرکزی دفتر 106 راوی روڈ میں جمع تھے اس وقت قدیم طرز کی مختصر عمارت میں یہ دفتر تھا جو ہمارے لیے باعث تعجب کہ جس جماعت نے برصغیر میں تاریخ رقم کی جس سے وابستہ شخصیات کی شہرت سرحد پار دور دور تک ہے، کیا ان کا مرکزی دفتر اتنا ہی مختصر ہے، پروفیسر صاحب کی مساعی جمیلہ کے باعث اس کی از سرنو تعمیر ہو سکی۔ پروفیسر صاحب نے ظہرانے کے لیے کسی ریسٹورنٹ کا انتخاب کیا، کھانے کے آرڈر میں پروفیسر صاحب نے اپنے لیے دال طلب کی، میں نے محترم کی فرمائش پر کہا کہ کہیں اس میں اس آیت سے مشابہت تو نہیں ﴿أَتَسْتَبْدِلُونَ الَّذِي هُوَ أَدْنَىٰ بِالَّذِي هُوَ خَيْرٌ﴾ دال بھاجی کی طلب کے سبب قوم موسیٰ علیہ السلام پر حیرت کا اظہار کیا گیا، سب ہی احباب اس پر ہنس پڑے اور پروفیسر صاحب نے وضاحت کی کہ میرے لیے اسی سادگی میں خیر ہے۔ بیرون ملک پروفیسر صاحب کا ضیافتوں میں جو انداز ہوتا وہی پاکستان میں بھی دیکھنے میں آیا کہ غذا ہلکی اور سادہ ہو۔

اسی سادگی کا عقیدتمندوں نے دوران علالت جس کمرہ میں آخری دن گزارے، نقشہ کھینچا کہ پانچ میعاد کے لیئے سینیٹر رہنے والے کی کیا یہی متاع حیات ہے، در اصل اہل نظر جانتے ہیں کہ ان کا سرمایہ اقبال کے بقول

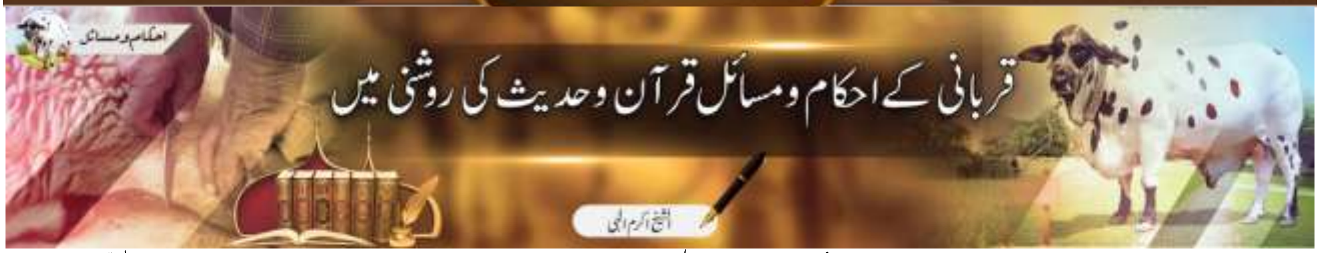
نگہ بلند سخن دلنواز جاں پرسوز
یہی ہے رخت سفر میر کارواں کے لیے

چند دنوں سے پروفیسر صاحب کی علالت کی خبریں مل رہی تھیں لیکن جب تک سانس ہے آس ہے، 3/مئی 2025ء جب رحلت کی اطلاع ملی ہے، دل بیٹھ سا گیا، پرانی یادوں میں کھو گیا، دوسرے دن غائبانہ نماز ادا کرتے ہوئے ذہن و دماغ کی جو کیفیت تھی اسے کیسے بیان کریں اور کچھ لکھنے بیٹھا، نہ جانے کتنی یادوں کے چراغ جلے بجھے، گرم آنسوؤں اور سرد آہوں کے ساتھ حافظہ کے طویل سلسلہ یادداشت سے کچھ باتیں حوالہ قرطاس کر سکا ہوں۔ ورنہ باتیں بہت ہیں۔

یقین ہے کہ ان شاء اللہ روز محشر صادق مصدوق ﷺ کے بقول ان سعادتمندوں میں ہوں گے جن سے کہا جائے گا: اقْرَأْ وَارْتَقِ وَرَتِّلْ كَمَا كُنْتَ تُرَتِّلُ فِي الدُّنْيَا، فَإِنَّ مَنْزِلَتَكَ عِنْدَ آخِرِ آيَةٍ تَقْرَأُ بِهَا (جامع ترمذی:2914)

پڑھتے جاؤ جنت کی اعلی منزلیں طے کرتے جاؤ جیسے دنیا میں تلاوت کیا کرتے، تمہارا ٹھکانہ وہیں ہو گا جہاں تمہاری تلاوت مکمل ہو گی۔

رب روف و رحیم بشری لغزشوں سے عفو و درگذر کا معاملہ کرتے ہوئے جنت الفردوس میں مقام عطا کرے۔ آمین



الحمد رب العالمین و الصلاة و السلام علی أشرف الأنبیاء و المرسلین و من تبعهم بإحسانٍ إلی یوم الدین

قربانی کا معنی: اونٹ، گائے، بیل، خصی، بکری میں جو عید الاضحیٰ اور ایام تشریق میں بطور تقرب اِلی اللہ ذبح کیا جاتا ہے، اسے قربانی کہا جاتا ہے۔ (فقہ السنہ از سید سابق:3/195)

قربانی کی حکمت: قربانی ایک عظیم عمل ہے جو بہت ساری حکمتوں کے پیش نظر انجام دیا جاتا ہے، مثلا:

1۔ قربانی اللہ کے تقرب کے حصول اور ثوابِ الٰہی کے لئے دی جاتی ہے:

﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ﴾ (سورۃ الکوثر:2)

چنانچہ اپنے رب کے لئے نماز پڑھئے اور قربانی کیجئے، نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ (سورۃ الأنعام:162)

"آپ کہہ دیجئے کہ میری نماز، میری قربانی، میری زندگی اور میری موت سب اللہ کے لئے ہے۔"

2۔امام الموحدین حضرت ابراہیم اور امام الأنبیاء جناب محمد ﷺ کی سنت کے طور پر بھی دی جاتی ہے:

﴿ وَفَدَيْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِيمٍ﴾ (سورۃ الصافات:107)

3۔اپنے اہل وعیال پر بقر عید کے دن توسیع کے لئے بھی قربانی پیش کی جاتی ہے۔

4۔غرباء، فقراء، مساکین، محتاج گان اور ضرورت مندوں پر صدقہ وخیرات کرنے کے لئے بھی قربانی پیش کی جاتی ہے۔

5۔شکرانے کے طور پر بھی قربانی دی جاتی ہے، اللہ نے فرمایا: ﴿فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ كَذَلِكَ سَخَّرْنَاهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ﴾ (سورۃ الحج:36)

"اس سے کھاؤ، اور ضرورت مندوں اور محتاجوں کو کھلاؤ، اسی طرح ہم نے انہیں تمہارے لئے تابع کر دیا، تاکہ تم شکر گزاری کر سکو۔"

قربانی کا حکم

قربانی کے حکم کے تعلق سے علمائے اسلام میں اختلاف رہا ہے کہ قربانی واجب ہے یا سنتِ مؤکدہ، امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے علاوہ ائمہ ثلاثہ اور جمہور اہل علم کے یہاں قربانی سنتِ مؤکدہ ہے، سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے:

"یہ سنت ہے، اور اسلام میں ایک معروف چیز ہے۔" (صحیح بخاری: 5545)

امام ترمذی فرماتے ہیں: "اہل علم کے نزدیک اسی پر عمل ہے کہ قربانی واجب نہیں ہے بلکہ رسول اللہ ﷺ کی سنتوں میں سے ایک سنت ہے اور اسی پر عمل کرنا مستحب ہے اور امام سفیان ثوری اور امام ابن مبارک رحمہما اللہ بھی اسی کے قائل ہیں۔" (جامع ترمذی: بعد الحدیث، 1506)

سیدنا ابو بکر وسیدنا عمر رضی اللہ عنہما کبھی کبھار قربانی اس خوف سے چھوڑ دیا کرتے تھے کہ اسے واجب نہ قرار دیا جائے۔ (طبرانی: 3058؛ بیہقی: 19508؛ ارشاد الفقیہ: 1: 352) میں ابن کثیر نے اس کی سند کو 'جید' کہا ہے، جبکہ علامہ البانی نے (ارواء الغلیل: 4: 355) میں صحیح قرار دیا ہے) جو اس بات کی قوی دلیل ہے، کہ قربانی واجب نہیں ہے اور دلائل کا جائزہ لینے کے بعد راجح اور قوی یہی معلوم ہوتا ہے کہ قربانی سنتِ مؤکدہ ہے، ہاں اگر کسی نے قربانی کے لئے نذر مانی ہے، تو ایسی صورت میں اس پر واجب ہو گی، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿يُوفُونَ بِالنَّذْرِ﴾ (سورۃ الدہر:7)

"نذر پوری کرتے ہیں، نیز نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«مَن نَذَرَ أن يُطيعَ اللهَ فلْيُطِعْه، ومَن نَذَرَ أن يَعْصِيَه فلا يَعْصِه» (صحیح بخاری: 6696)

"جس نے اللہ کی اطاعت کے لئے نذر مانی، تو اسے اپنی نذر پوری کرنی چاہئے اور جس نے معصیت کی نذر مانی، تو وہ اللہ کی معصیت نہ کرے۔"

سب سے افضل اور بہتر قربانی: وہ جانور ہے، جسے نبیٔ کریم ﷺ نے ذبح فرمایا۔ نبی کریم ﷺ نے سینگ دار چتکبرا جانور ذبح فرمایا ۔ (صحیح بخاری: 5558؛ صحیح مسلم:1966)

جانور کو موٹا کرنا، اسے خوبصورت بنانا، اسے کھلا پلا کر موٹا فربہ کرنا، تعظیم شعائر اللہ میں سے ہے، یہی بات حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ﴿وَمَن يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا مِن تَقْوَى الْقُلُوبِ﴾ کی تفسیر میں فرمائی ہے۔ (تفسیر طبری: 17156)، صحابہ کرام قربانی کے جانور کو خوب فربہ کرتے تھے، اس کی نشو و نما میں خوب خوب حصہ لیتے تھے، سیدنا ابو امامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

كُنَّا نُسَمِّنُ الْأُضْحِيَّةَ بِالْمَدِينَةِ، وَكَانَ الْمُسْلِمُونَ يُسَمِّنُونَ (صحیح بخاری)

"ہم لوگ مدینہ میں قربانی کے جانور کو خوب موٹا کرتے تھے، اور مسلمان (یعنی تمام صحابہ) موٹا فربہ کرتے تھے۔

قربانی کا جانور جتنا مہنگا ہو، اس قدر افضل اور اعلیٰ ہو گا، جیساکے نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

أغلاها ثمناً وأنفسها عند أهلها

"سب سے بہتر وہ جو قیمت کے اعتبار سے مہنگا اور اس گھر والوں کے یہاں نفیس ہو۔" (صحیح بخاری:2518)

امام ابن خزیمہ فرماتے ہیں: "انسان کے نزدیک قربانی کا جانور دیکھنے میں جتنا اچھا لگے گا، اللہ کے

نزدیک اتنا ہی بہتر ہوگا۔" (صحیح ابن خزیمہ:14291)

سعودی مجلس افتا کا فتویٰ: قربانی کے بہتر اور افضل ہونے کے تعلق سے مملکتِ سعودی عرب کی مجلس افتا کا فتویٰ ملاحظہ فرمائیں: "قربانیوں میں افضل اونٹ، پھر گائے پھر بکری اور پھر اونٹنی یا گائے کی قربانی میں شرکت ہے کیونکہ آپ ﷺ نے جمعہ کے متعلق فرمایا: "جو پہلی گھڑی میں (مسجد میں) گیا گویا کہ اس نے اونٹ کی قربانی کی اور جو دوسری گھڑی میں گیا گویا کہ اس نے گائے کی قربانی کی اور جو تیسری گھڑی میں گیا گویا کہ اس نے سینگ والے مینڈھے کی قربانی کی اور چوتھی گھڑی میں گیا گویا کہ اس نے ایک مرغی کی قربانی کی اور جو پانچویں گھڑی میں گیا گویا کہ اس نے ایک انڈے قربانی کی۔"

اس حدیث میں محل شاہد اللہ تعالیٰ کی طرف تقرب میں اونٹ، گائے اور بھیڑ بکریوں کے درمیان ایک دوسرے پر فضیلت کا وجود ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ قربانی اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کا بہت بڑا ذریعہ ہے اور اونٹ قیمت، گوشت اور نفع کے لحاظ سے سب سے زیادہ ہے۔ ائمہ ثلاثہ یعنی امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور امام احمد بھی اسی کے قائل ہیں اور امام مالک نے فرمایا کہ "(قربانی میں) افضل بھیڑ کا کھیرا ہے پھر گائے اور پھر اونٹ ہے کیونکہ نبی ﷺ نے دو مینڈھے قربان کیے اور آپ ﷺ صرف افضل کام ہی کرتے تھے۔ اس کے جواب میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ یقیناً آپ ﷺ بعض اوقات غیر افضل کام کو بھی امت پر نرمی کرنے کی غرض سے اختیار فرما لیا کرتے تھے کیونکہ وہ آپ کی اقتدا کرتے تھے اور آپ یہ پسند نہیں کرتے تھے کہ ان پر مشقت ڈالیں لیکن آپ ﷺ نے اونٹ کو گائے اور بھیڑ بکریوں پر فضیلت بیان کر دی ہے جیسا کہ ابھی پیچھے گذرا ہے۔ واللہ اعلم (فتاویٰ اسلامیہ:320/2)

قربانی کی شرائط: کسی بھی عمل کے لئے شرائط ہوتی ہیں، جب تک انہیں بجانہ لایا جائے، اللہ وہ عمل قبول نہیں کرتا، قربانی کے شرائط میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

نیت : نیت کا خالص ہونا، اسے اللہ کے لئے خاص اور خالص کرنا قربانی کی قبولیت کی سب سے عظیم شرط ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّـهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ (سورۃ الانعام :162) "آپ فرما دیجئے کہ بالیقین میری نماز اور میری ساری عبادت اور میرا جینا اور میرا مرنا یہ سب خالص اللہ ہی کا ہے جو سارے جہان کا مالک ہے۔"

حلال مال سے قربانی کیا جائے: قربانی کی قبولیت کے لئے ضروری ہے کہ اسے حلال مال سے خریدا گیا ہو، حرام مال سے خریدا گیا مال ذبح کرنے سے قربانی قبول نہیں ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَاشْكُرُوا لِلَّهِ إِنْ كُنتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ﴾ (سورۃ البقرۃ:172) "اے مومنو! ہم نے جو تم کو پاکیزہ مال دیا وہی کھاؤ اور اللہ کا شکر ادا کرو، اگر تم اس کی عبادت کرتے ہو، نیز نبی کریم ﷺ نے فرمایا: «أيها الناس إن الله طيب لا يقبل إلا طيبا» (صحیح مسلم:2346)

"اے لوگو! بے شک اللہ تعالیٰ پاک ہے اور صرف پاکیزہ چیز کو ہی قبول کرتا ہے۔"

قربانی سنت کے مطابق ہو، چنانچہ اگر کسی نے قربانی وقت سے پہلے کرلی تو اس کی قربانی قبول نہیں ہوگی، جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

عَنْ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: ضَحَّى خَالٌ لِي يُقَالُ لَهُ أَبُو بُرْدَةَ قَبْلَ الصَّلَاةِ، فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «شَاتُكَ شَاةُ لَحْمٍ» (صحیح بخاری:5560؛ صحیح مسلم:1961)

"حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میرے ماموں ابو بردہ نے نمازِ عید سے پہلے ہی قربانی کرلی، تو آپ ﷺ نے فرمایا: تمہاری یہ بکری گوشت والی بکری ہے (یعنی یہ قربانی گوشت کھانے کے لئے کیا تھا) اس بات پر ابن منذر نے (الاجماع:60/1 میں)، ابن عبدالبر نے (التمہید:196/23 میں) اور قرطبی نے (تفسیر قرطبی 43/12 میں) اجماع نقل فرمایا ہے۔)

قربانی انہیں جانور کی جائز ہوگی جو بہیمۃ الأنعام میں سے ہو ، بہیمۃ الأنعام میں اونٹ، گائے، بکری شامل ہے۔)

قربانی کے جانور کے لئے عمر کا اعتبار: شریعتِ مطہرہ نے قربانی کے جانور کے لئے عمر کا اعتبار کیا ہے، اس کے بغیر جو قربانی کرے گا، قبول نہیں ہوگی، چنانچہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«لاتذبحوا إلامسنة إلا أن يعسر عليكم فتذبحوا جذعة من الضأن» (صحیح مسلم:117)

"مُسنّہ ہی ذبح کرو، الا یہ کہ تم پر تنگی ہو تو بھیڑ کا کھیرا ذبح کرلو۔)، چنانچہ اونٹ 5 سال میں، گائے، دو سال میں اور بکری ایک سال میں دانتا ہوتا ہے، یہ عمومی رواج ہے۔ (الشرح الممتع:425/7، فتاوی اللجنۃ الدائمۃ :414/11-415)

مسنہ کی تعریف: امام نووی مسنہ کی توضیح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"قال العلماء: المسنة هي: الثنية من كل شيء من الإبل والبقر والغنم فما فوقها، وهذا تصريح بأنّه لا يجوز الجَذَع من غير الضأن في حال من الأحوال، وهذا مجمع عليه على ما نقله القاضي عياض."

"مُسنہ اونٹ، گائے، بھیڑ اور بکری میں سے دو دانتا یا اس سے بڑی عمر کا ہونا چاہیے، قاضی عیاض کے قول کے مطابق اس پر تمام علماء کا اتفاق ہے۔" (شرح النووی:117/13)

امام شوکانی فرماتے ہیں: "علماء کہتے ہیں: مُسنہ اونٹ، گائے، بھیڑ اور بکری میں سے دو دانتا یا اس سے بڑی عمر کا جانور ہوتا ہے اور حدیث میں صراحت ہے۔" (نیل الأوطار:120/5) یہ واضح ہونا چاہئے کہ حدیث یا لغت میں جہاں (المسنۃ یا الثنی) کے الفاظ آئے ہیں، ان میں کوئی فرق نہیں، یہ مترادف الفاظ ہیں، یعنی وہ جانور جس کے اگلے دو دانت گر گئے ہوں، لہٰذا اگر دو دانتا جانور مل جائے تو اسی کی قربانی

کی جائے گی۔ (سبل السلام از امیر صنعانی :4/1356)

اگر دو دانت کا جانور نہ ملے، اس کی حصولیابی مشکل ہو جائے تو بھیڑ کے کھیرے کی قربانی جائز ہوگی، جس کی طرف حدیث میں اشارہ، بلکہ صراحت موجود ہے۔

بھینس کی قربانی: بھینس کی قربانی کے بارے میں خود علمائے اہل حدیث میں اختلاف ہے، چنانچہ بعض اسے صحیح قرار دیتے ہیں، جیسے علامہ ثناء اللہ امر تسری (فتاوی ثنائی :1/520)، جبکہ دوسری طرف بعض علمائے اہل حدیث بڑی شدت سے اس کا انکار کرتے ہیں، جن میں حافظ عبد اللہ روپڑی (فتاوی اہل حدیث 2/426-427) جیسے علمائے اہل حدیث شامل ہیں، عصر حاضر کے بعض محققین بھی اس میں سر فہرست شامل ہیں، شیخ عنایت اللہ سنابلی مدنی نے اس کے جواز کے متعلق ایک کتابچہ (بھینس کی قربانی ایک علمی جائزہ) بھی ترتیب دیا ہے، جس میں اس کے جواز کو ثابت کیا گیا ہے، دونوں فریق اپنے اپنے انداز سے دلائل پیش کرتے ہیں، جن حضرات نے اسے لغوی اعتبار سے (نوع من البقر) صحیح گردانا، انہوں نے اس کی قربانی کے جواز کا فتوی صادر فرمایا، اور جنہوں نے بہیمۃ الأنعام کو قرآن کی توضیح و تصریح کے مطابق یہ سمجھا کہ قرآن میں تو باقاعدہ بہیمۃ الأنعام کی صراحت کر دی گئی ہے، لہٰذا انہیں موسوم بہیمۃ الأنعام کی قربانی ہوگی، انہوں نے بھینس کی قربانی کو غیر مشروع و غیر مسنون قرار دیا، ذاتی طور پر میرا میلان اس کے جواز کی طرف ہے اور یہی قول راجح معلوم ہوتا ہے، کیوں کہ قرآن و حدیث کو بغیر لغت کے نہیں سمجھا جا سکتا ہے، البتہ مجھے اس پر اصرار نہیں، جسے جو دلائل وزنی معلوم ہوں، اسے اس پر عمل کرنا چاہئے اور اس موضوع پر شدت اختیار نہیں کرنا چاہئے۔

بے نمازی کی قربانی: آج کے اس دور میں جس بے رحمی سے انتہائی شاطرانہ طور پر نماز ترک کی جارہی ہے، انتہائی افسوس ناک صورت حال ہے اور ایسے ہی لوگ عیدین کے لئے سب سے آگے رہتے ہیں، جو نماز روزہ میں پیچھے رہتے ہیں، عام مشاہدہ ہی ہے کہ قربانی کا بکرا سب سے مہنگا وہی خریدتے ہیں اور قربانی کرنے کی کوشش کرتے ہیں، حالانکہ ان کی قربانی مشکوک، مشتبہ اور راجح ترین قول کے مطابق درست نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالی نے فرمایا: ﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ﴾ "نماز پڑھو اور قربانی کرو۔" یہاں گو کہ معنی یہ ہے کہ پہلے نماز پڑھو، پھر قربانی کرو، مگر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ نماز پڑھو اور قربانی کرو یعنی جو نماز نہیں پڑھتا اسے قربانی کا کوئی حق نہیں۔

قربانی کا وقت: قربانی کی قبولیت کے لئے ضروری ہے کہ وقت پر ذبح کیا جائے، چنانچہ اگر کسی نے وقت سے پہلے قربانی کر لی تو اس کی قربانی قبول نہیں ہوگی، جیسا کہ مذکورہ حدیث میں بیان ہوا۔

ذبح کے وقت کیا کہنا چاہئے؟ ذبح کے وقت کی دعا یہ ہے: ﴿إِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا مُسْلِمًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ، إِنّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذَلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوّلُ الْمُسْلِمِينَ﴾ ثم إذا باشر الذبح أن يقول: «باسم الله والله أكبر، اللّهُمَّ هذا منك ولك»

بعض علماء نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے اور لکھا کہ بسم اللہ اکبر کہہ کر قربانی کرنی چاہئے، لیکن محققین علماء نے اسے صحیح کہا ہے۔ (سنن ابو داؤد:2805، شیخ محفوظ الرحمن فیضی کی کتاب: چند مضامین فیضی ص/121-127)

افضل یہ ہے کہ انسان خود ذبح کرے، اگر کسی کو وکیل بنادے تو بھی جائز ہے، نبی کریم ﷺ نے خود اونٹ (نحر) ذبح فرمائے، باقی کو ذبح کرنے کے لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا جو اس بات کی دلیل ہے کہ کسی دوسرے کو بھی ذبح کرنے کے لئے مقرر کیا جاسکتا ہے۔ (حج سے متعلق حضرت جابر بن عبد اللہ (رضی اللہ عنہما) کی لمبی حدیث، صحیح مسلم:1218)

قربانی کا جانور بیچا نہیں جاسکتا ہے، اگر کسی نے کوئی جانور قربانی کے لئے خریدا، تو اس کا بیچنا قطعی جائز نہیں ہوگا۔ (صحیح مسلم:4224) ہاں اگر کوئی اس جانور سے بہتر، افضل، موٹا اور فربہ خریدنے کی نیت سے بیچنا چاہے تو اس کی گنجائش ہوگی، کیونکہ یہ افضل قربانی کی طرف پیش رفت شمار ہوگی اور افضل قربانی بہر حال اہم ہے۔

قربانی کے جانور کے لئے بے عیب ہونا ضروری ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"أربع لا تجوز في الأضاحي: العوراء البيّن عورها، والمريضة البيّن مرضها، والعرجاء البيّن ظلعها والكسير التي لا تنقي." (سنن ابو داؤد:2802؛ ارواء الغلیل: 1148)

"چار جانور قربانی میں جائز نہیں: واضح طور پر آنکھ کا کانا، ایسا بیمار جس کی بیماری واضح ہو، لنگڑا جس کا لنگڑا پن ظاہر ہو اور ایسا کمزور جس میں چربی نہ ہو۔" یہاں بطور فائدہ شیخ ابن عثیمین کی ایک تقسیم ذکر کرنا مناسب خیال کرتا ہوں، شیخ فرماتے ہیں، جس کا ترجمہ کچھ یوں ہے:

"عیوب کی تین قسمیں کی جا سکتی ہیں: پہلی قسم: جس کی دلیل سنت میں واضح طور پر موجود ہے، یعنی ایسا کانا جس کا کانا پن واضح ہو، ایسا بیمار، جس کی بیماری واضح ہو، ایسا لنگڑا جس کا لنگڑا پن واضح ہو، اور ایسا کمزور جس میں کوئی چربی نہ ہو، ان عیوب پر واضح نص موجود ہے کہ ان کی قربانی جائز نہ ہوگی، جو عیوب ان جیسے ہوں گے، یا اس سے اوپر تو ان کو انہیں پر قیاس کیا جائے گا 'دوسری قسم: جن جانوروں کی قربانی ناجائز ہونے کی ممانعت وارد ہوئی ہے، جو عیوب ان کے کان یا سینگ میں ہوتے ہیں، چاہے سینگ ٹوٹا ہوا ہو یا کان پھٹا ہوا ہو چاہے لمبائی میں یا چوڑائی میں یا آدھے سے کم کٹا ہوا ہو، ان کے جائز نہ ہونے کے تعلق سے حضرت علی کی روایت موجود ہے، لیکن یہ ممانعت کراہت پر محمول ہوگی، کیوں کہ چار عیوب کو محصور کرنے والی حدیث موجود ہے، کہ ان عیوب والے جانور کی قربانی جائز نہ ہوگی، تیسری قسم: وہ عیوب جن کے متعلق ممانعت تو وارد نہیں ہے، البتہ

وہ (عیوب) سلامتی میں قادح ضرور ہیں، تو ان عیوب سے قربانی کی صحت پر کوئی فرق نہیں پڑے گا، اور نہ ہی ان کی قربانی مکروہ ہوگی ، اور نہ ہی حرام، گو کہ لوگوں کے یہاں انہیں معیوب سمجھا جاتا ہو، جیسے ایسا کانا، جس کا کانا پن واضح نہ ہو، نیز ایسا جانور جو معمولی لنگڑاتا ہو، جس کا دانت ہلکا سا ٹوٹا ہوا، چنانچہ یہ عیب تو ہیں، مگر ایسے عیوب نہیں کہ جو قربانی کے جائز ہونے میں رکاوٹ ہوں، اور نہ ہی یہ عیوب کراہیت کو ثابت کرتے ہیں، کیوں کہ ایسی کوئی دلیل موجود نہیں ہے اور اصل چیز برائت ہے۔" (الشرح الممتع 7/440)

لہٰذا معمولی عیب دار جانور کی قربانی باتفاق درست ہے۔(سبل السلام 4/1356، عون المعبود: 8/18)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"أَمَرَنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ أَنْ نَسْتَشْرِفَ الْعَيْنَ وَالْأُذُنَ، وَلَا نُضَحِّيَ بِعَوْرَاءَ، وَلَا مُقَابَلَةٍ، وَلَا مُدَابَرَةٍ، وَلَا خرقاء، وَلَا شَرْمَاءَ." (سنن ابوداؤد:2804؛ جامع ترمذی:1498؛ سنن نسائی:4378)

"رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم قربانی کے جانور کی آنکھ کان اچھی طرح سے دیکھ لیں اور ہم ایسے جانور کی قربانی ہرگز نہ کریں جس کے کان آگے سے کٹ کر لٹکے ہوں، یا پیچھے سے کٹ کر لٹکے ہوں، ایسا جانور جس کے کان طول و عرض میں پھٹے ہوں اور ایسا جانور جس کے کان میں گول سوراخ ہو۔"

حاملہ جانور کی قربانی جائز ہے، اس میں کوئی حرج نہیں ہے، سیدنا ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پیٹ کے بچے کے متعلق سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: " اگر تم چاہو تو کھالو اور مسدد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم نے کہا اے اللہ کے رسول! ہم اونٹنی، گائے اور بکری ذبح کرتے ہیں تو ہم اس کے پیٹ میں بچہ پاتے ہیں کیا ہم اسے پھینک دیں یا اسے کھالیں ؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "اگر تم چاہو تو اسے کھالو کیونکہ اس کا ذبح اس کی ماں کا ذبح کرنا ہی ہے۔" (سنن ابوداؤد:2827؛ مسند احمد: 3 :43)

یہی فتویٰ علامہ محمد بن ابراہیم آل الشیخ کا تھا، فرماتے ہیں: "حاملہ بکری کی قربانی درست ہے، جس طرح سے دوسرے جانور کی قربانی جائز ہے، شرط یہ ہے کہ وہ عیوب سے پاک ہو، جن سے قربانی کے جانوروں کا پاک ہونا ضروری ہے۔" (فتاوی ورسائل محمد بن ابراہیم آل الشیخ 6/127)

اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ حاملہ جانور خواہ اونٹنی ہو، گائے ہو یا بکری ہو اسے قربانی کے لیے ذبح کیا جاسکتا ہے اور اس کے پیٹ کے بچے کو ذبح کیے بغیر کھانا درست ہے، امام خطابی فرماتے ہیں:

"یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ مذبوحہ جانور کے بچے کو کھانا جائز ہے، بشرطیکہ کہ اس کی ماں کو ذبح کیا گیا ہو خواہ بچے کو دوبارہ ذبح نہ ہی کیا جائے۔" (عون المعبود: 8/34-35)

لیکن اگر طبعی کراہت کے پیش نظر اسے پھینک دیا جائے تب بھی کوئی حرج نہیں کیونکہ نبی ﷺ نے صحابہ کو لازمی طور پر پیٹ کا بچہ کھانے کا حکم نہیں دیا بلکہ اسے ان کی طبیعت و چاہت پر ہی معلق رکھا۔

علاوہ ازیں جو حضرات اس کی کراہت کی بات کرتے ہیں، یا اسے ناپسند کرتے ہیں، یا اسے حرام و مکروہ سمجھتے ہیں، وہ سراسر غلطی پر ہیں، یہ انسان کی طبیعت پر موقوف و منحصر ہے چاہے تو کھالے اور اگر طبیعت پر ناگوار گزرے تو اسے چھوڑ دے، کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔

ذبح کرنے کے آداب

1۔ جانور کو ذبح کرنے سے پہلے چھری کو خوب تیز کر لیا جائے۔ (صحیح مسلم:1955)

2۔ جانور کے سامنے چھری تیز نہ کی جائے۔ (صحیح الترغیب:1090)

3۔ **جانور کو قبلہ رخ کرلینا بھی محبوب عمل ہے،** اور آداب میں شامل ہے۔(سنن ابوداؤد: 2795؛ سندہ صحیح)

4۔ اونٹ کے علاوہ دوسرے جانور کو لٹا کر ذبح کرنا۔ (صحیح مسلم: 1967)

5۔ ذبح کرتے وقت ذبیحہ کے پہلو پر قدم رکھنا۔ (صحیح بخاری : 5058؛ صحیح مسلم:1966)

6۔ جانور ذبح کرنے سے پہلے دعا پڑھنا۔ (سنن ابوداؤد 2795:)

7۔ اونٹ کو کھڑے کھڑے نحر کرنا، اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهَا صَوَافَّ ﴾ (سورۃ الحج:36) کی تفسیر میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ صوافّ کی تفسیر قیاما ہے، یعنی اونٹ کو کھڑے کھڑے نحر کرنا۔ (صحیح بخاری، کتاب الحج باب نحر البدن قائما)، نبی کریم ﷺ کے عمل کے بارے میں سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب آپ ﷺ نے اونٹ ذبح کئے تو کھڑے کر کے نحر فرمایا تھا۔(صحیح بخاری:1712؛ سنن ابوداؤد:1796)

قربانی کے وقت اگر بسم اللہ کہنا بھول جائے تو کوئی حرج نہیں، کیونکہ اللہ نے بھول چوک معاف فرمادیا ہے۔(سنن ابن ماجہ:2043، وسندہ صحیح)

ذبح کرتے وقت اگر جانور کی گردن علیحدہ ہو جائے تو کوئی حرج نہیں ۔(صحیح بخاری قبل:5510)

عید الاضحیٰ اور اس کے بعد تین دن یعنی 13/ذوالحجہ کی شام تک قربانی کی جاسکتی ہے کیونکہ عید الاضحیٰ کے بعد 11، 12، 13 ذوالحجہ کے دنوں کو ایام تشریق کہتے ہیں۔(تفسیر احسن البیان: 82؛ نیل الاوطار: 3/490)

اور تمام ایام تشریق کو ذبح کے دن قرار دیا گیا ہے اس کی دلیل مندرجہ ذیل حدیث ہے:

عن جبير بن مطعم عن النبي ﷺ: كل أيام التشريق ذبح

"تمام ایام تشریق ذبح کے دن ہیں۔" (مسند احمد:16797؛ طبرانی:1583؛ بیہقی:10525؛ صحیح ابن حبان:3842؛ صحیح الجامع الصغیر:4537)

ایام تشریق کی راتوں میں بھی قربانی کی جاسکتی ہے۔ (المغنی ابن قدامہ:9/454، نووی کی کشف القناع:3/10)

اگر کسی کے پاس وقتی طور پر پیسے نہ ہوں، اور قرض لے کر قربانی دینے کی نوبت آجائے ، جسے بعد میں ادا کرنے کی امید ہو تو قرض لے کر قربانی کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، ایسا کرنا ضروری نہیں مگر بہتر ضرور ہے۔(مجموع فتاوی ابن تیمیہ 26/305)

اونٹ میں دس اور گائے میں سات سات آدمی شریک ہوسکتے ہیں نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

نَحَرْنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ عَامَ الْحُدَيْبِيَةِ

الْبَدَنَةَ عَنْ سَبْعَةٍ، وَالْبَقَرَةَ عَنْ سَبْعَةٍ (صحیح مسلم:1318)

نیز نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

كنّا معَ رسولِ اللهِ ﷺ في سفرٍ، فحضرَ الأضحى، فاشترَكنا في الجزورِ عن عشرةٍ، والبقرةِ عن سبعةٍ (ابن ماجہ رقم:2553)

"ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر میں تھے، عید الاضحیٰ آگئی تو ہم اونٹ میں دس آدمی شریک ہوگئے اور گائے میں سات آدمی۔" یہ حدیث اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اونٹ میں دس آدمی شریک ہوسکتے ہیں، مگر ایسا ضروری نہیں، کچھ لوگ ایسا سمجھتے ہیں وہ ان کی غلط فہمی ہے۔

پورے گھر والے کی طرف سے ایک بکری کافی ہے

سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

كَانَ الرَّجُلُ فِي عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ يُضَحِّي بِالشَّاةِ عَنْهُ، وَعَنْ أَهْلِ بَيْتِهِ فَيَأْكُلُونَ وَيُطْعِمُونَ (جامع ترمذی:1505؛ سنن ابن ماجہ:3147)

"نبیٔ اکرم ﷺ کے زمانے میں ایک شخص اپنی طرف سے اور اپنے پورے گھر والوں کی طرف سے ایک بکری کی قربانی دیا کرتے تھے، چنانچہ وہ خود کھاتے تھے اور دوسروں کو بھی کھلاتے تھے۔" لہٰذا ایک بکری ایک گھر کی طرف سے کافی ہے گو کہ اس گھر میں 100 سو زائد افراد ہوں۔ (الشرح الممتع 5/275، فتاوی اللجنۃ الدائمۃ: 11/408)

عورتیں بھی قربانی کرسکتی ہیں، سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اپنی بیٹیوں کو قربانی کرنے کا حکم دیتے تھے اور وہ اپنے ہاتھوں سے قربانی کیا کرتی تھی۔ (صحیح بخاری قبل رقم :5559؛ مصنف ابن ابی شیبہ:8169؛ فتح الباری 10/25) جو لوگ عورتوں کے ذبح کرنے کو معیوب سمجھتے ہیں وہ سراسر غلطی پر ہیں اور اسوۂ صحابہ سے دور۔

جو قربانی کا ارادہ رکھے، وہ اپنے بال، ناخن، چمڑے میں سے کچھ بھی نہ لے، جیسا کہ نبیٔ کریم ﷺ نے فرمایا:

«إذا رأيتم هلال ذي الحجة وأراد أحدكم أن يضحي فليمسك عن شعره وأظفاره» (صحیح مسلم:3655)

"جب تم ذوالحجہ کا چاند دیکھ لو اور تم میں سے کوئی قربانی کا ارادہ رکھتا ہو تو وہ اپنے بال اور ناخن کاٹنے سے رک جائے۔" اگر کسی نے اپنے بال ناخن کاٹ لئے (چاہے عمداً کاٹے یا سہواً) تو اسے توبہ و استغفار کرنا چاہئے، اس پر کوئی گناہ نہیں ہوگا، اور نہ ہی اسے فدیہ دینا ہوگا۔ (المغنی از ابن قدامہ :9/437، مرداوی کی الانصاف:4/80)

قربانی کے گوشت کی تقسیم کا مسئلہ: بعض علما نے کہا ہے کہ قربانی کا گوشت تقسیم کرنے کا افضل طریقہ یہ ہے کہ گوشت کے تین حصے کیے جائیں - ایک حصہ خود کھایا جائے، دوسرا حصہ اپنے اقربا اور دوست احباب وغیرہ کو کھلا دیا جائے اور تیسرا حصہ غرباء و مساکین میں تقسیم کر دیا جائے۔ امام احمد بھی اسی کے قائل ہیں۔ ان حضرات کی دلیل ابن عمر سے مروی یہ قول ہے کہ انہوں نے کہا کہ

"قربانی کا تیسرا حصہ تمہارے لیے ہے اور تیسرا حصہ تمہارے گھروالوں کے لیے ہے اور تیسرا حصہ مساکین کے لیے ہے۔" (مزید تفصیل کیلئے: المغنی لابن قدامہ:9/379)

اگرچہ علمانے اس تقسیم کو افضل کہا ہے لیکن یہ تقسیم ضروری نہیں ہے بلکہ حسبِ ضرورت، حالات کے مطابق بھی گوشت تقسیم کیا جاسکتا ہے یعنی اگر فقراء ومساکین زیادہ ہوں تو زیادہ گوشت صدقہ کر دینا چاہیے اور اگر ایسا نہ ہو بلکہ اکثر وبیشتر لوگ خوشحال ہوں تو زیادہ گوشت خود بھی استعمال کیا جاسکتا ہے اور اسی طرح آئندہ ایام کے لیے ذخیرہ بھی کیا جاسکتا ہے کیونکہ قرآن میں مطلقاً قربانی کا گوشت کھانے اور کھلانے کا حکم دیا گیا ہے جیسا کہ ارشادِ باری ہے:

﴿وَالْبُدْنَ جَعَلْنَاهَا لَكُم مِّن شَعَائِرِ اللَّهِ لَكُمْ فِيهَا خَيْرٌ ۖ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهَا صَوَافَّ ۖ فَإِذَا وَجَبَتْ جُنُوبُهَا فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ﴾ (سورۃ الحج : 36)

"قربانی کے اونٹ ہم نے تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کی نشانیاں مقرر کر دی ہیں ان میں تمہیں نفع ہے۔ پس انہیں کھڑا کر کے ان پر اللہ کا نام لو، پھر جب ان کے پہلو زمین سے لگ جائیں اسے (خود بھی) کھاؤ اور مسکین سوال سے رکنے والوں اور سوال کرنے والوں کو بھی کھلاؤ۔"

ایک اور آیت میں ہے کہ

"اپنے فائدے حاصل کرنے کے لیے آجائیں اور ان چوپایوں پر جو پالتو ہیں، ان مقررہ دنوں میں اللہ کا نام یاد کریں۔ پس تم خود بھی کھاؤ اور فقیروں کو کھلاؤ۔"

درج بالا آیات سے معلوم ہوا کہ حسبِ ضرورت قربانی کا گوشت کھایا اور کھلایا جاسکتا ہے، البتہ تین دن سے زیادہ ذخیرہ کرنے سے رسول اللہ ﷺ نے خاص مصلحت کے تحت ابتداے اسلام میں منع فرما دیا تھا جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ

"حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: کوئی بھی اپنی قربانی کا گوشت تین دن سے اوپر نہ کھائے۔" (صحیح مسلم:5100)

لیکن پھر اس کی اجازت دے دی تھی جیسا کہ ایک دوسری حدیث میں ہے کہ سیدنا سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"تم میں سے جو قربانی کرے تیسرے دن کے بعد اس کے گھر میں اس میں سے کوئی چیز باقی نہ ہو- پس اگلے سال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا اس سال بھی ہم اسی طرح کریں جس طرح ہم نے گذشتہ سال کیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: کھاؤ اور کھلاؤ اور ذخیرہ کرو۔ بے شک اُس سال لوگ مشقت میں تھے تو میں نے ارادہ کیا کہ تم ان کی مدد کر دو۔ (صحیح بخاری:5569)

مذکورہ دلائل سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ قربانی کے گوشت کے تین یا دو حصے کر کے تقسیم کرنا ضروری نہیں بلکہ حالات کے مطابق کسی بھی طریقے سے گوشت کھایا اور کھلایا جاسکتا ہے اور ذخیرہ اندوزی بھی کی جاسکتی ہے۔ امام ابن قدامہ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

"تین دنوں سے زیادہ قربانیوں کا گوشت ذخیرہ کرنا جائز ہے۔" (المغنی:9/381)

قربانی کا گوشت کفار کو دیا جا سکتا ہے، قربانی کے اہم مسائل میں ایک مسئلہ قربانی کے گوشت کو کافروں کو دینے سے متعلق ہے کہ کیا قربانی کا گوشت کافروں کو جو مانگنے آتے ہیں دیا جا سکتا ہے ؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ قربانی کا گوشت انہیں بلا شبہ دیا جا سکتا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:﴿لَا يَنْهَاكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ أَنْ تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ﴾(سورۃ الممتحنۃ:8)

"اللہ تعالیٰ تمہیں ان لوگوں کیساتھ احسان اور انصاف کرنے سے منع نہیں کرتا جو تم سے جنگ نہیں لڑتے اور تمہیں تمہارے گھروں سے بے دخل نہیں کرتے، بے شک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔"

ابن قدامہ فرماتے ہیں: "یہ بھی جائز ہے کہ اس (قربانی کے گوشت) سے کافر کو بھی کھلایا جائے۔۔۔، کیونکہ یہ نفلی صدقہ ہے، اس لئے یہ ذمی اور قیدی کو کھلانا جائز ہے، جیسے کہ دیگر صدقات انہیں دئے جا سکتے ہیں۔ (المغنی 9/450؛ فتاوی اللجنۃ الدائمۃ:11/242؛ مجموع فتاوی ابن باز:18/48)

قربانی کا گوشت خود کھانا ضروری نہیں ہے ، بعض لوگ جو ایسا سمجھتے ہیں، وہ درست نہیں ہے، قربانی کرنے والا اگر نہ چاہے تو کھانا ضروری نہیں ہے

قربانی کے گوشت سے روزہ افطار کرنے کا عقیدہ درست نہیں ہے، البتہ یہ آپ ﷺ کا معمول تھا کہ عید الاضحیٰ کے لئے بغیر کھائے پیئے نماز عید کے لئے نکلتے تھے ، اور گوشت سے کھانے کی ابتدا فرماتے تھے، کلیجے سے کھانے کی ابتدا بھی کوئی ضروری نہیں۔(مجموع فتاوی ورسائل شیخ محمد بن عثیمین 16/120)

نبیٔ کریم ﷺ کی طرف سے قربانی کرنا بدعت ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے زیادہ کسی کو بھی آپ سے محبت نہیں ہو سکتی ہے ، اس کے باوجود ان میں سے کسی نے ایسا نہیں کیا ہے، نہ ہی کسی صحیح اور صریح حدیث سے ایسا ثابت نہیں ہے، جو اس کے بعد ہونے کی واضح دلیل ہے، اس تعلق سے جو حدیث مروی ہے، وہ ضعیف ہے، محققین علمائے حدیث نے اس کی صراحت کی ہے۔

میت کی طرف سے قربانی :

مستقل طور پر میت کی طرف سے قربانی نہ رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے، نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اور اسلاف عظام سے اور نہ ہی امامانِ دین متبوعین سے، نہ ہی ایسی کوئی صحیح اور صریح دلیل موجود ہے، ہاں یہ ضرور ہے کہ علمائے محققین خود اس بارے میں مختلف موقف رکھتے ہیں ، تاہم صحیح اور راجح بات یہی ہے کہ میت کی طرف سے مستقلا قربانی درست نہیں ہے، میت کو فائدہ پہنچانے، ثواب پہنچانے اور اس کے میزانِ حسنات میں اضافہ کے اور بھی صحیح طریقے شریعت نے بتلائے ہیں، انہیں اپنانا چاہیئے۔

اگر قربانی کا جانور گم ہو جائے تو مالک کو اختیار ہے کہ دوسرا جانور خریدے یا نہ خریدے۔ (السنن الکبری 9/289)

قربانی کا جانور خریدنے کے بعد اگر عیب دار ہو جائے تو اسی کی قربانی کی جائے، اس میں کوئی حرج کی بات نہیں ، جیسا کہ حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔(السنن الکبری 9/289 وسندہ صحیح)

قربانی کے چرم کو اپنے مصرف میں لایا جا سکتا ہے، اسے دوسرے کو ہدیہ کیا جا سکتا ہے، مگر اسے بیچا نہیں جا سکتا ہے۔(فیض القدیر :6/121؛ المغنی 9/195)

قربانی کا چمڑا قصاب کو بطورِ اجرت دینا بھی ناجائز ہے۔ (صحیح مسلم: 1317)

چرمہائے قربانی کو مدرسین کی تنخواہوں، طلباء کے قیام و طعام کے لئے دیا جا سکتا ہے، یہی فتوی علمائے محققین کا ہے۔(فتاوی اہل حدیث 5/106؛ مجموعہ فتاوی عبد اللہ غازی فوری (کتاب الصلاۃ ص304)

قربانی کی جگہ صدقہ وخیرات کرنا:

قربانی ایک مستقل امتیازی عبادت ہے، اور صدقہ وخیرات دوسری مستقل عبادت، اس لئے ہر عبادت کا ایک الگ مقام اور جگہ ہے، صدقہ وخیرات کو قربانی کا بدل قرار نہیں دیا جا سکتا ہے ، جو لوگ ایسا حالات کے پیش نظر فتوی دیتے ہیں وہ صریح غلطی پر ہیں ، ان کا یہ نظریہ بے بنیاد اور بے اساس ہے، اس سے کئی چیزیں لازم آتی ہیں:

1۔اس بے بنیاد فتوی سے یہ لازم آئے گا کہ قربانی نہ کر کے صلہ رحمی کو بجالایا جائے، کیوں کہ صلہ رحمی تو ضروری ہے، صلہ رحمی نہ کرنا تو باعثِ دخول جہنم ہے، کئی لعنتوں کا سبب ہے، اور دنیا و آخرت میں بربادی کا سبب بھی ہے۔

2۔اس سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ اسلام نے۔ نعوذ باللہ۔ غریبوں کے مسائل کا حل پیش نہیں کیا۔

3۔جو قربانی کے بدلے صدقہ کا فتوی صادر فرماتے ہیں ، اس سے بہت ساری عبادتوں کو یکسر نظر انداز کرنا بھی لازم آئے گا، وغیرہ وغیرہ

اس لئے یہ کہنا کہ قربانی کی جگہ صدقہ وخیرات ، اور غریبوں میں انفاق سے کام لیا جائے ، بے بنیاد ، مضحکہ خیز اور عجیب وغریب بات ہے، بیشک آپ صدقہ و خیرات کیجئے، لیکن قربانی کا بدل قرار نہ دیجئے، کیا دونوں ایک ساتھ انجام نہیں دیا جا سکتا ہے؟ بیشک دیا جا سکتا ہے، تو پھر قربانی کو صدقہ میں کیوں تبدیل کریں؟

قربانی سے متعلق بعض اغلاط وبدعات

1۔ قربانی کرنے سے پہلے جانور کو دھونا۔

2۔ قربانی کرنے سے پہلے پورے گھر والوں کا جانور کے پاس جمع ہونا۔

3۔ قربانی اور عقیقہ ایک ساتھ کرنا: بعض لوگ عقیقہ کے جانور ہی میں قربانی کافی سمجھتے ہیں، جو غلط ہے، کیوں کہ قربانی ایک الگ چیز ہے، اور عقیقہ دوسرا الگ حکم۔(تحفۃ المولود از ابن القیم: ص68)

4۔ قربانی کے جانور کے پاس جا کر رونا۔

5۔ جانور ذبح کرتے ہوئے سب کا اجتماعی طور پر دعا کرنا۔



بیشک تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں، ہم اس کی حمد کرتے ہیں، اس سے مدد مانگتے ہیں، اس سے مغفرت طلب کرتے ہیں، اور اسی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ جسے اللہ ہدایت دے دے، اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا، اور جسے وہ گمراہ کر دے، اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔

حمد وثناء کے بعد: پس میں تمہیں اور اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے تقویٰ کی وصیت کرتا ہوں؛ کیونکہ یہ تقویٰ ہی اللہ تعالیٰ کی پہلی اور آخری امتوں کے لیے وصیت ہے، اور یہی روزِ قیامت کے لیے بہترین زادِ راہ (سامانِ سفر) ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَى ۚ وَاتَّقُونِ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ﴾

”اور زادِ راہ حاصل کرو، پس بہترین زادِ راہ تقویٰ ہے، اور مجھ سے ڈرو اے عقل والو۔“ (سورۃ البقرۃ:197)

اے اللہ کے بندو! بیشک سب سے ضروری فرائض، سب سے بڑی قربتیں، اور سب سے افضل عبادتوں میں سے ایک: ماں باپ کے ساتھ حسنِ سلوک (نیکی) ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کے حق کو اپنے حق کے ساتھ جوڑ دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَاعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا﴾

”اور اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو۔“ (سورۃ النساء: 36)

اور اللہ تعالیٰ نے اپنے شکر کے ساتھ والدین کے شکر کو جوڑ دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ إِلَيَّ الْمَصِيرُ﴾

”میرا شکر ادا کر، اور اپنے والدین کا بھی، (بالآخر) میری ہی طرف تمہیں لوٹ کر آنا ہے۔“ (سورۃ لقمان:14)

اور اولاد پر اللہ تعالیٰ کی رحمت میں سے ہے کہ اس نے ان کے لیے ماں باپ کے ساتھ نیکی کے کئی دروازے کھول دیے ہیں، جو ماں باپ کے انتقال کے بعد بھی بند نہیں ہوتے۔ ان دروازوں میں سب سے عظیم دروازہ: والدین کے لیے دعا کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَقُل رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا﴾

”اور کہہ: اے میرے رب! ان دونوں پر رحم فرما، جیسے ان دونوں نے مجھے بچپن میں پالا تھا۔“ (سورۃ الإسراء: 24)

علامہ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"أَي ادْعُ لَهُمَا بِالرَّحْمَةِ: أَحْيَاءً وأَمْوَاتًا."

”یعنی ان دونوں کے لیے دعا کر رحم کی: چاہے وہ زندہ ہوں یا فوت ہو چکے ہوں۔“ (تفسیر السعدی: 524)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا مَاتَ الإِنْسَانُ؛ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ إِلَّا مِنْ ثَلَاثَةٍ: إِلَّا مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ، أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ، أَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُو لَهُ»

”جب انسان فوت ہو جاتا ہے، تو اس کا عمل منقطع ہو جاتا ہے، سوائے تین چیزوں کے: جاری صدقہ، ایسا علم جس سے فائدہ اٹھایا جائے، یا نیک اولاد جو اس کے لیے دعا کرے۔“ (صحیح مسلم:1638)

شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ نے فرمایا:

"الوَلَدُ الصالِحُ: هُوَ الذي يَدْعُو لِوَالِدَيهِ بعدَ مَوْتِهِمَا، ولهذا يتأكّدُ علينا أن نَحْرِصَ -غايةَ الحِرْصِ- على صَلَاحِ أَولَادِنَا؛ لأنهم يَدْعُونَ لنا بعدَ الموت."

”نیک اولاد وہ ہے جو اپنے والدین کے انتقال کے بعد ان کے لیے دعا کرتی ہے، اسی لیے ہم پر لازم ہے کہ ہم اپنی اولاد کی اصلاح کی فکر کریں۔“ (شرح ریاض الصالحین:4/567)

اور والدین کے لیے دعا میں سب سے اہم دعاؤں میں سے ایک: ان کے لیے مغفرت کی دعا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ الرَّجُلَ لَتُرْفَعُ دَرَجَتُهُ فِي الجَنَّةِ؛ فَيَقُولُ: أَنَّى هَذَا؟! فَيُقَالُ: بِاسْتِغْفَارِ وَلَدِكَ لَكَ.»

”بیشک آدمی کے جنت میں درجے بلند کیے جاتے ہیں، تو وہ پوچھتا ہے: یہ درجے مجھے کہاں سے ملے؟ کہا جاتا ہے: تیرے بیٹے کے استغفار (دعائے مغفرت) کی وجہ سے۔“ (سنن ابن ماجہ:3660)

اور والدین کے انتقال کے بعد ان سے نیکی (برّ) کے دروازوں میں سے ایک دروازہ: ان کی طرف سے قرض کی ادائیگی ہے۔ شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"بعضُ الظَّلَمَةِ مِنَ الوَرَثَة؛ يُؤَخِّرُونَ وفاءَ

الدّيْنِ عَنِ المِيّتِ؛ لِمَصَالِحِهِمُ الخاصة! فَتَجِدُ المَيّتَ عليه ديون، وعندَه عقارات؛ فيقولون: "لا نَبِيْعُهَا؛ بل نُوفِيهِ مِنَ أُجْرَتِهَا ولَوْ بعدَ عَشْرِ سِنِين"، أو يقولون: "ننتظرُ حتى ترتفعَ قيمةُ الأراضي"، وهذا ظلمٌ -والعياذُ بالله-، وفيه مِنَ العقوقِ ما لا يَخْفَى على أَحَد؛ لأنّ الميّتَ يَتَأَثّرُ بالدّيْنِ الذي عليه."

"بعض ظالم ورثاء میت کی طرف سے قرض کی ادائیگی کو اپنے ذاتی مفاد کی خاطر مؤخر کر دیتے ہیں! چنانچہ میت پر قرض ہوتا ہے اور اس کے پاس جائیدادیں بھی موجود ہوتی ہیں؛ لیکن وہ کہتے ہیں: "ہم ان کو نہیں بیچیں گے، بلکہ ان کے کرائے سے قرض ادا کریں گے، چاہے دس سال بعد ہی کیوں نہ ہو۔"، یا وہ کہتے ہیں:

"ہم انتظار کریں گے یہاں تک کہ زمینوں کی قیمت بڑھ جائے"، تو یہ ظلم اور والدین کی نافرمانی ہے؛ کیونکہ میت قرض کی وجہ سے تکلیف میں ہوتی ہے۔" (الشرح الممتع: 5/260- 261)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«نَفْسُ المُؤْمِنِ مُعَلّقَةٌ بِدَيْنِهِ، حَتّى يُقْضَى عَنْهُ»

"مومن کی روح اس کے قرض کے ساتھ معلق رہتی ہے، یہاں تک کہ اس کا قرض ادا کر دیا جائے۔" (جامع ترمذی: 1078)

اور والدین سے نیکی (برّ) میں سے ایک عمل ان کے انتقال کے بعد یہ ہے: اللہ کے ذمے واجب قرضوں کی ادائیگی، چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

أَنّ امْرَأَةً جَاءَتْ إلى النّبِيّ ﷺ، فقالت: «إِنّ أُمِّي نَذَرَتْ أَنْ تَحُجّ فَمَاتَتْ قَبْلَ أَنْ تَحُجّ؛ أَفَأَحُجّ عَنْهَا؟»، قال: «نَعَمْ، حُجّي عَنْهَا، أَرَأَيْتِ لَوْ كَانَ عَلَى أُمّكِ دَيْنٌ أَكُنْتِ قَاضِيَتَهُ؟»، قالت: «نَعَمْ»؛ فقال: «اقْضُوا اللهَ الّذِي لَهُ، فَإِنّ اللهَ أَحَقّ بِالوَفَاءِ»

"کہ ایک عورت نبی کریم ﷺ کے پاس آئی اور عرض کیا: "بیشک میری ماں نے نذر مانی تھی کہ وہ حج کرے گی، لیکن وہ حج کرنے سے پہلے فوت ہو گئی؛ کیا میں اس کی طرف سے حج کروں؟" آپ ﷺ نے فرمایا: "ہاں، اس کی طرف سے حج کرو۔ تمہارا کیا خیال ہے، اگر تمہاری ماں پر قرض ہوتا، تو کیا تم اسے ادا کرتیں؟" اس نے کہا: "ہاں!" تو آپ ﷺ نے فرمایا: "اللہ کا قرض پورا کرو، کیونکہ اللہ ہی سب سے زیادہ اس کا حق دار ہے کہ اس کا قرض پورا کیا جائے۔" (صحیح بخاری: 7315)

اور والدین سے نیکی کے کاموں میں سے ایک ان کی وفات کے بعد یہ بھی ہے:

ان کی وصیت کو نافذ کرنا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿مِنْ بَعْدِ وَصِيّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ﴾

"وصیت کی تکمیل کے بعد، یا قرض کی ادائیگی کے بعد۔" (سورۃ النساء: 11)

امام سعدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"قَدّمَ الوصيةَ -معَ أَنّهَا مُؤَخّرَة عن الدّيْنِ؛ لِلْاِهْتِمَامِ بِشَأْنِهَا، لِكَونِ إِخْرَاجِهَا شَاقًّا على الوَرَثَة."

"اللہ تعالیٰ نے یہاں وصیت کا ذکر قرض سے پہلے کیا ہے، حالانکہ حقیقت میں وصیت قرض کے بعد ادا کی جاتی ہے، یہ اس لیے کہ وصیت کا ادا کرنا ورثاء پر بوجھ ہوتا ہے، اس لیے قرآن نے اس پر خاص توجہ دلائی۔" (تفسیر السعدی:166)

اور والدین کے ساتھ نیکی کی ایک اور قسم ان کی وفات کے بعد:

ان کی طرف سے روزے رکھنا۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ سے سوال کیا گیا:

«يا رَسُولَ اللهِ، إِنّ أُمِّي مَاتَتْ وعَلَيْهَا صَوْمُ شَهْرٍ -وفي روايةٍ: صوم نذر-؛ أَفَأَقْضِيهِ عَنْهَا؟). فقال ﷺ: «لَوْ كَانَ على أُمّكَ دَيْنٌ، أَكُنْتَ قَاضِيَهُ عَنْهَا؟». قال: (نَعَمْ)؛ فقال: «فَدَيْنُ اللهِ أَحَقّ أَنْ يُقْضَى»

"اے اللہ کے رسول! میری والدہ فوت ہو گئی ہے اور اس پر ایک مہینے کے روزے باقی تھے۔"

ایک روایت میں ہے:

نذر کے روزے، تو کیا میں ان کی طرف سے روزے رکھوں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

"اگر تمہاری ماں پر قرض ہوتا، تو کیا تم وہ ادا کرتیں؟"

سائل نے کہا: "ہاں!" آپ ﷺ نے فرمایا:

"تو اللہ کا قرض پورا کرنا اس کا زیادہ حق رکھتا ہے۔" (صحیح مسلم:1148)

اور آپ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ مَاتَ وعَلَيْهِ صِيَامٌ؛ صَامَ عَنْهُ وَلِيّهُ»

"جس شخص پر روزے باقی ہوں اور وہ فوت ہو جائے، تو اس کی طرف سے اس کا ولی روزے رکھے۔" (صحیح بخاری: 1952)

علماء نے کہا ہے کہ

"مَنْ ماتَ وعليهِ صيامٌ مِن رمضان؛ لم يَخلُ مِن حالَيْنِ: أَوّلاً: أَنْ يموتَ قَبْلَ إمكانِ الصيام: إِمّا لِضِيْقِ الوَقْتِ، أو لِـمَرَضٍ، أو سَفَرٍ، أو عَجْزٍ؛ فهذا لا شيءَ عليه: فلا يُصَامُ عنه، ولا يُطْعَم. ثانيًا: أَنْ يموتَ بعدَ إمكانِ القضاء: فَإِمّا أَنْ يَنْتَدِبَ لهُ واحِدٌ مِن الورثة ويصومُها،

وإمّا أن يُطْعِمُوا عن كلِّ يومٍ مسكينًا."

"جو شخص رمضان کے روزے رکھے بغیر فوت ہو جائے، اس کے دو ممکنہ حالات ہیں: پہلا: اگر وہ روزے کی قضا کا موقع ملنے سے پہلے فوت ہوا جیسے عدم فرصت، سفر، بیماری، معذوری: تو اس پر کچھ بھی نہیں؛ نہ اس کی طرف سے روزہ رکھا جائے گا اور نہ فدیہ دیا جائے گا۔ دوسرا: اگر وہ قضا کی قدرت رکھنے کے بعد فوت ہوا:

الف) تو یا تو اس کے ورثاء میں سے کوئی ایک اس کی طرف سے روزہ رکھے۔

ب) یا ہر دن کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلایا جائے۔" (المغنی، ابن قدامہ: 3/241؛ الشرح الممتع، ابن عثیمین: 6/453)

اور والدین کی وفات کے بعد ان سے نیکی کے دروازوں میں سے ایک اور دروازہ: ان کی طرف سے صدقہ دینا ہے۔ چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ ایک آدمی نے نبی ﷺ سے عرض کیا:

«إنّ أُمِّي افْتُلِتَتْ نَفْسُهَا -أي ماتت- وأَظُنُّهَا لَوْ تَكَلَّمَتْ تَصَدَّقَتْ؛ فَهَلْ لَهَا أَجْرٌ إِنْ تَصَدَّقْتُ عَنْهَا؟، قال: «نَعَمْ»

"بیشک میری والدہ اچانک فوت ہو گئی ہیں، اور میرا خیال ہے کہ اگر وہ بات کر سکتیں تو صدقہ کرتیں؛ تو کیا اگر میں ان کی طرف سے صدقہ کروں تو انہیں اس کا اجر ملے گا؟" آپ ﷺ نے فرمایا: "ہاں!" (صحیح بخاری: 1388)

بیشک والدین کی دنیا سے رخصتی کے بعد ان سے نیکی (برّ) کرنے کی اقسام میں سے ایک قسم صلۂ رحمی (رشتہ داروں سے تعلق جوڑنا) اور ان کے دوستوں سے حسنِ سلوک کرنا ہے۔ چنانچہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور عرض کیا:

يا رَسُولَ اللهِ، هَلْ بَقِيَ مِنْ بِرِّ أَبَوَيَّ شَيْءٌ، أَبَرُّهُمَا بِهِ بَعْدَ مَوْتِهِمَا؟، قال: «نَعَمْ: الصَّلاةُ عَلَيْهِمَا، والاسْتِغْفَارُ لَهُمَا، وإِنْفَاذُ عَهْدِهِمَا مِنْ بَعْدِهِمَا، وصِلَةُ الرَّحِمِ الَّتِي لا تُوصَلُ إلَّا بِهِمَا، وإِكْرَامُ صَدِيقِهِمَا»

"یا رسول اللہ! کیا میرے والدین کی وفات کے بعد بھی ان کے ساتھ نیکی کرنے کا کوئی ایسا عمل باقی رہتا ہے جس کے ذریعے میں ان سے نیکی کر سکوں؟" آپ ﷺ نے فرمایا:

"ہاں! ان کے لیے دعا کرنا، ان کے لیے استغفار کرنا، ان کے عہد و وعدوں کو ان کے بعد پورا کرنا، ان رشتہ داروں سے صلہ رحمی کرنا جو صرف ان کی وجہ سے تعلق میں تھے، اور ان کے دوستوں کا اکرام و احترام کرنا۔" (سنن أبو داؤد: 5142)

اور ایک اور حدیث میں فرمایا:

«مَنْ أَحَبَّ أَنْ يَصِلَ أَبَاهُ فِي قَبْرِهِ؛ فَلْيَصِلْ إِخْوَانَ أَبِيهِ بَعْدَهُ»

"جس نے یہ چاہا کہ وہ اپنے والد کو اس کی قبر میں (بھی) جوڑنے والا بنے، تو اسے چاہیے کہ اپنے والد کے دوستوں سے اس کے بعد تعلق قائم رکھے۔" (صحیح ابن حبان: 432)

علامہ مناوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"أَي يَصِل أصدقاءَهُ بعدَ مَوتِه."

"یعنی والد کے دنیا سے جانے کے بعد اس کے دوستوں سے تعلق رکھنا اور ان سے حسنِ سلوک کرنا ہی والد کے ساتھ صلہ رحمی ہے۔" (التیسیر بشرح الجامع الصغیر: 2/388)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

" أَنّ رَجُلًا لَقِيَهُ بِالطَّرِيقِ، فَسَلَّمَ عَلَيْهِ، وحَمَلَهُ على حِمَارٍ كَانَ يَرْكَبُهُ، وأَعْطَاهُ عِمَامَةً كَانَتْ على رَأْسِهِ؛ فَتَعَجَّبَ الناسُ مِنْ ذلك! فقال ابنُ عُمَر: إِنّ أَبَا هذا، كَانَ وُدًّا لِعُمَرَ، وإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يقول: "إِنّ أَبَرَّ الْبِرِّ: صِلَةُ الوَلَدِ أَهْلَ وُدِّ أَبِيهِ."

"ایک آدمی ان سے راستے میں ملا، اس نے انہیں سلام کیا، تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اسے اُس گدھے پر سوار کر دیا جس پر وہ خود سوار تھے، اور اپنی پگڑی اُتار کر اسے دے دی۔ لوگوں نے اس پر تعجب کیا (کہ یہ سب کچھ صرف ایک سلام پر کیوں کیا؟)(تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

"بیشک اس آدمی کا باپ عمر (رضی اللہ عنہ) کا دوست تھا، اور میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

"سب سے اعلیٰ درجہ کی نیکی یہ ہے کہ بیٹا اپنے والد کے دوستوں سے تعلق قائم رکھے۔" (صحیح مسلم: 2552)

امام نووی۔ فرماتے ہیں:

"وفي هذا فَضْلُ صِلَةِ أصدقاءِ الأَب، والإحسانِ إليهم بِإِكْرَامِهِم، وتَلْتَحِقُ بِهِ أصدقاءُ الأم."

"اس حدیث میں والد کے دوستوں سے تعلق قائم رکھنے اور ان کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی فضیلت ہے اور اسی میں ماں کی سہیلیاں (یعنی ماں کی دوستیں) بھی شامل ہیں۔" (شرح مسلم: 16/110)

اے اللہ! ہمیں اور ہمارے والدین کو بخش دے، اے اللہ! ان پر رحم فرما، جیسا کہ انہوں نے ہمیں بچپن میں پالا تھا، اور ہمیں ان کی زندگی میں بھی اور ان کے بعد بھی ان کے ساتھ نیکی (برّ) کرنے کی توفیق عطا فرما۔

☆☆☆



استاذ تعلیم دینے والے کو کہتے ہیں جو بچوں کی روح کو پاک کرتا ہے جو طالب علم کی مدد ور ہنمائی کرتا ہے اور انہیں تربیت دیتا ہے اور ان کے اخلاق کو سنوارتا ہے اور انہیں قابل انسان بناتا ہے، درسگاہ کوئی بھی ہو، معلم کے بغیر درسگاہوں کا تقدس بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ ماں کے بغیر گھر، معلم کے بغیر تعلیم کا حصول ناممکن ہے تعلیم و تدریس کا پیشہ مقدس ہوتا ہے، رسول اللہ ﷺ جو سب سے پہلے معلم انسانیت تھے، اساتذۂ کرام کی سب سے بہترین رہنمائی کی ہے، ایک معلم بچوں کی اچھی تربیت اور تعلیم دے کر اپنی قوم وملت، ملک وطن کی تعمیر کرتا ہے۔ ایک مفکر نے استاذ کی اہمیت کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے:

”کسی بھی انسان کی کامیابی کے پیچھے اچھے استاذ کی بہترین تربیت کار فرما ہوتی ہے، خوش قسمت ہوتے ہیں وہ لوگ جن کی زندگی میں اچھے استاذ میسر آجاتے ہیں، ایک معمولی سے نوخیز بچے سے لے کر ایک کامیاب فرد تک سارا سفر استاذ کی مرہون منت ہوتا ہے، وہ ایک طالب علم میں جس طرح کا رنگ بھرنا چاہیں بھر سکتے ہیں، استاذ قوموں کی تعمیر میں بڑا کردار ادا کرتے ہیں، اچھے لوگوں کی وجہ سے اچھا معاشرہ تشکیل پاتا ہے اور اچھے معاشرے سے ایک بہترین قوم تیار کی جاسکتی ہے۔“

دیگر اقوام و معاشروں اور مذاہب کے بالمقابل اسلام نے اساتذہ کی تکریم اور ان کے تقدس اور ان کی اہمیت کو خوب اجاگر کیا ہے، کیونکہ ایک استاذ اپنے طالب علم کو پستیوں سے اٹھاکر آسمان کی بلندیوں تک پہنچا دیتا ہے، بلا شبہ رسول اللہ ﷺ معلم انسانیت تھے، جنہوں نے اپنے صحابہ کی اس قدر تربیت کی کہ وہ تا قیامت کائنات کیلئے مثال اور اہل ایمان کی اصلاح کا ذریعہ بنے، حالانکہ عرب کا معاشرہ جاہلی سماج کہلاتا تھا، جہاں ایسی کوئی برائی و خباثت اور منکرات و فحش نہیں تھے، جسے اس سماج نے اختیار نہ کیا ہو، زنا، شراب نوشی، چوری، قتل وغارت گری، لوٹ مار یہ تو عمومی باتیں ہیں جو ہر سماج میں ہوتی ہیں لیکن اہل عرب اس سے بھی آگے تھے کہ وہ اپنی اولاد کو بیٹی ہونے کے سبب زندہ درگور کر دیتے، اور قبائلی عصبیتیں و نفرتیں اتنی پھیلی ہوئی تھیں کہ برس ہا برس تک قتل وغارتگری کا بازار گرم رہتا نسلیں تباہ ہو جاتیں لیکن جاہلیت کا یہ عالم تھا کہ ہر مرنے والا سردار اپنے بعد آنے والے جانشین کو انتقام کی وصیت کرتا، ایسے میں رسول اللہ ﷺ نے اس سماج کی تربیت کی اور انہیں سدھارا اور انہیں تعلیم دی تو وہ سماج اس قدر نکھر گیا کہ اللہ کی رضامندی حاصل ہوئی اور ان کے حق میں اللہ تعالی نے فرمایا کہ

﴿رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ﴾ ” اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔“ (سورۃ المائدہ:119)

استاذ کا فریضہ:

ہر مسلمان استاذ کو چاہئے کہ وہ اپنے منصب و مقام اور اہمیت و ذمہ داری کو سمجھے جب تک وہ اپنے مقصد کو نہیں سمجھے گا نہ کامیاب استاذ ثابت ہوگا اور نہ اس سے فیضیاب ہونے والے طلباء سماج و معاشرہ کے لیئے مفید ثابت ہو سکتے ہیں رسول اللہ ﷺ کی زندگی اساتذہ کے لئے نمونہ ومثال ہے، اللہ تعالیٰ نے معلم انسانیت کے مقصد رسالت کو یوں بیان فرمایا ہے:

﴿ هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيّنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمُ ايْتِهِ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِيْنٍ ﴾

”وہی ہے جس نے ناخواندہ لوگوں میں ان ہی میں سے ایک رسول بھیجا، جو انہیں اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور ان کو پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے۔ یقیناً یہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔“ (سورۃ الجمعہ:2)

اس آیت کریمہ میں بحیثیت معلم ہر استاذ کو چاہئے کہ وہ ان چار باتوں کا خیال رکھے جو رسول اللہ ﷺ کی بعثت کا مقصد تھا۔ عوام الناس اور طالب علموں کو آیات کی تلاوت کر کے سنانا، ان کے اخلاقی جرائم و برے اعمال کی نشاندہی کرنا، کتاب پڑھ کر سنانا اور انہیں حکمت کی باتیں بتانا اسی کے ذریعہ سے نسلوں کی اصلاح ہوگی۔ اساتذہ کو چاہئے کہ وہ اس آیت کی روشنی میں اپنے طلباء کی تربیت کریں، انہیں سابقہ لوگوں کے واقعات سنائیں، کتاب پڑھانے کے دوران انہیں گزرے ہوئے حقائق سے واقف کروائیں، اقوال زرین، صحابہ و تابعین اور بڑے بزرگ مسلمان سائنس دانوں کے اقوال سنائیں، ان کے نام بتائیں۔ کیونکہ موجودہ دور کا طالب علم 70 سال قدیم تاریخ سے ناآشنا ہے، ہر دور میں تبدیل ہونے والے نصاب تعلیم نے مسلمانوں کے کارناموں کو فراموش کر دیا ہے، کتنے ایسے اساتذ ہیں جو تدریس کے دوران اپنے طلباء کو مسلم بادشاہوں کے واقعات سناتے ہوں گے

جیسے بنگال کے نواب سراج الدولہ، سلطنت خداداد ٹیپو سلطان اور مغلیہ سلطنت، آصف جاہی سلطنت، تغلق سلطنت، عادل شاہی سلطنت کے عدل وانصاف و ترقی پسندی کے واقعات اور ان کے زوال کے اسباب، اسی طرح پولیس ایکشن اور وہ واقعات جو آزادی ہند کے بعد رونما ہوئے اسی طرح آزادی ہند میں علماء کی قربانیاں اور ان تحریک کا تعارف جنہیں علماء اکرام نے قائم کیا تھا، اسی طرح ان خانوادوں کا تعارف جو آزادی ہند کی خاطر تاراج کر دیئے گئے، اسی طرح ان مدارس کا تذکرہ جنہیں انگریزی استعمار نے ملیامیٹ کر دیا تھا وغیرہ۔

اگر اساتذہ ان کی ذہن سازی نہ کریں تو طلباء کی ذہنی نشونما کیسے پروان چڑھے گی؟ طلباء تو وہی سمجھیں گے جو موجودہ تاریخ میں بیان کیا جارہا ہے، ہمارے طلباء کے پاس اتنی صلاحیت نہیں ہے کہ وہ خارجی مطالعہ کے ذریعہ تاریخی حقائق کو جان سکیں، اساتذہ کو چاہئے کہ وہ اس حقیقت کو اپنے پیش نظر رکھیں کہ تاریخ کے وہ حقائق جو 30 سال قبل طلباء کو پڑھائے جاتے تھے، اب وہ نصاب تعلیم سے ہٹادئے گئے ہیں، مسلم حکمرانوں کو پہلے ہندوستانی بادشاہوں کے نام سے پڑھایا جاتا تھا لیکن اب انہیں بھارت کے غاصب و جابر و ظالم حکمران کے طور پر پیش کیا جارہا ہے، اسی لئے معلم انسانیت رسول اللہ ﷺ نے عربوں کو ان کی قدیم تاریخ سے آگاہ کیا جو وہ نہیں جانتے تھے۔

استاذ بچوں کو زجر و توبیخ نہ کرے:

ہر معلم کو چاہئے کہ وہ اپنے طلباء کو جھڑکے نہیں اور نہ ڈانٹے اور نہ ان پر غصے کا اظہار کرے، اس سے بچوں کے حوصلے پست ہو جاتے ہیں اور وہ استاذ سے خوفزدہ رہتے ہیں اور اپنی کوئی بھی بات یا سوال ان سے کرنا نہیں چاہتے، جس کے سبب ان کی ذہنی نشونما میں فرق پڑ جاتا ہے، کئی ایک اساتذہ ہیں جو بچوں کے ساتھ غلط زبان استعمال کرتے ہیں، جیسے بیوقوف، گدھے، نالائق، نکمے، کیا ہے رے، کیا بولا، وغیرہ ان الفاظ کو اساتذہ کی زبانی سنا گیا ہے اس ضمن میں رسول اللہ ﷺ اپنی ذات اور شخصیت کے متعلق یہ بیان فرمایا کہ «إِنَّ اللهَ لَمْ يَبْعَثْنِي مُعَنِّتاً، وَلٰكِنْ بَعَثَنِي مُعَلِّماً مُيسراً»

"بلا شک وشبہ مجھے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو جھڑکنے والا بنا کر مبعوث نہیں فرمایا، بلکہ مجھے آسانی کرنے والا معلم بنا کر بھیجا ہے۔" (المسند:14515)

استاذ میں احساس ذمہ داری ہو:

ہر استاذ و معلم کو چاہئے کہ وہ اپنی ذمہ داری کا احساس کرے کیونکہ وہ اللہ کے پاس اپنی ذمہ داری کے متعلق سوال کیا جائیگا۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: «كُلُّكُمْ رَاعٍ وَ كُلُّكُمْ مَسْئُولٌ»

"تم میں سے ہر شخص ذمہ دار ہے اور اپنی ذمہ داری کے بارے میں سوال کیا جائیگا۔" (صحیح بخاری: 5188)

ہر استاذ و معلم اپنے طالب علموں سے متعلق سوال کیا جائے گا کیونکہ ان کی تعلیم تربیت کی ذمہ داری انہیں سونپی گئی ہے۔ 4 سال کی عمر کے بچے کو ان کے حوالے کر دیا گیا، اساتذہ اپنی ذمہ داری کو روحانیت کے ساتھ نبھائیں۔ وہ اپنی ذمہ داری کو پیشہ ورانہ نہ سمجھیں، قدیم زمانے میں اساتذہ کا بہت اکرام کیا جاتا تھا کیونکہ وہ حد درجہ اخلاص کے ساتھ خدمت انجام دیتے تھے لیکن فی زمانہ اساتذہ پروفیشنل یعنی پیشہ ور ہو چکے ہیں یعنی تعلیم تجارت بن گئی ہے۔ اس لئے طلباء میں وہ صلاحیت نہیں پائی جاتی ہے جو قدیم طلباء میں پائی جاتی تھی، ضرورت ہے کہ اساتذہ اپنی خدمات کا دائرہ تبدیل کریں، قوموں کا انقلاب، قائدین کی پیداوار، زمانے کی تبدیلی اساتذہ کے ہاتھوں میں ہے، اگر ہم امت مسلمہ میں انقلابی تبدیلی لانا چاہتے ہیں تو اساتذہ کو اپنی ذمہ داریوں کا احساس کرنا ہوگا۔

استاذ طالب علم کا خیر مقدم کرے:

ہر مسلمان استاذ کو یہ چاہئے کہ وہ اپنے طلباء کا خیر مقدم کرے کیونکہ وہ حصول علم کے لئے ان کے پاس آتے ہیں، معلم انسانیت رسول اللہ ﷺ نے اس بات کی تعلیم دی، حضرت صفوان بن عسال رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور اس وقت آپ اپنی سرخ چادر پر ٹیک لگائے مسجد میں تشریف فرما تھے، تو میں نے عرض کیا: "میں طلب علم کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: «مَرْحَباً بِطَ العلم»

"طالب علم کو خوش آمدید! یقیناً طالب علم کو فرشتے اپنے پروں سے گھیر لیتے ہیں، پھر وہ ایک دوسرے کے اوپر سوار ہوتے ہوئے آسمان دنیا تک پہنچ جاتے ہیں وہ سب کچھ حصول علم کی محبت میں کرتے ہیں۔" (طبرانی: 7347؛ سلسلہ صحیحہ: 3397، اسنادہ حسن ورجالہ ثقات صحیح)

رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کو طالب علم کے خیر مقدم کا حکم دیا۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ یقیناً آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«سَيَأْتِيْكُمْ أَقْوَامٌ يَطْلُبُوْنَ العِلْمَ فَإِذَا رَأَيْتُمُوْهُ فَقُوْلُوْالَهُمْ: مَرْحَباً ! بِوَصِيّةِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاقْنُوهُمْ: قُلْتُ لِلْحَكَمِ مَا أَقْنوهُمْ ؟ قَالَ: عَلِّمُوْهُمْ»

"عنقریب تمہارے پاس قوم علم طلب کرنے کے لئے آئیں گی، پس تم جب انہیں دیکھو تو رسول اللہ ﷺ کی وصیت کے مطابق (ان کا استقبال کرو) ان سے کہو: خوش آمدید، خوش آمدید، اور انہیں وہ چیز دو جو ذخیرہ کئے جانے کے قابل ہے۔ (امام ابن ماجہ کے استاذ محمد بن حارث فرماتے ہیں) میں نے اپنے

استاذ حکم بن عبدہ سے پوچھا: قابل ذخیرہ چیز دینے کا کیا مطلب ہے؟ انہوں نے فرمایا: اس کا مطلب ہے کہ انہیں علم سکھاؤ۔" (ابن ماجہ:203؛ حسن، صحیح الجامع:3651، حسن؛ الجامع الصغیر:4717)

حصول علم کا ذوق و شوق رکھنے والوں کا استقبال ہونا چاہئے، اس سے ان کے حوصلے بلند ہوتے ہیں اور ان کے مزاج میں جدت پیدا ہوتی ہے، چونکہ کسی بھی مدرسہ یا اسکول و کالجز اور یونیورسٹیوں میں طلباء قلیل مدت کے لئے داخل نہیں ہوتے بلکہ طویل مدت کے لئے داخل ہوتے ہیں گویا ان کے گھروں کے بعد دوسرا گھر مدرسہ یا اسکول و کالج و یونیورسٹی ہی ہوتا ہے، پچھلے زمانے میں آج کل کی طرح گھروں کے قریب اسکول نہیں ہوا کرتے تھے بلکہ حصول علم کے لئے نئے علاقوں اور شہروں کا رخ کرنا پڑتا تھا، جہاں اپنوں کو چھوڑ کر بیگانوں میں زندگی بسر کرنا ہوتا تھا۔ ایسے میں اساتذہ کے اس استقبال سے انہیں اپنائیت کا احساس ہوگا۔

لیکن افسوس آج ہمارے مدارس و اسکولز، اور کالج و یونیورسٹی اور جامعات میں جدید طلباء کے ساتھ مذاق کیا جاتا ہے، ان کے ساتھ ریگنگ کی جاتی ہے، انہیں ستایا جاتا ہے، جس کے سبب نئے طلباء یا تو مدرسہ و اسکول اور کالج ویونیورسٹی و جامعات چھوڑ دیتے ہیں اور ترک تعلیم اختیار کر لیتے ہیں بلکہ غیرت کے مارے بعض طلباء خودکشی کر لیتے ہیں۔ یہ ماحول بناہوا ہے، جس کی اصلاح بہت ضروری ہے۔

استاذ طالب علم کے سوال کا جواب دے:

استاذ کو چاہئے کہ جب بھی کوئی طالب علم سوال کرے تو اس کو جواب دے اور استاذ کی توجہ اور نظر طالب علم کی طرف مرکوز رہے، اگر استاذ کی توجہ طالب علم کی جانب مرکوز نہیں ہوگی تو وہ اپنے سوال کو سمجھنے سے قاصر رہے گا اور اسے اطمینان حاصل نہیں ہوگا۔ یہ اصول معلم انسانیت رسول اللہ ﷺ نے اختیار کیا ہے اور ہمیں سکھایا ہے، ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! اللہ تعالی کی راہ میں لڑائی کیا ہے؟ کیونکہ ہم میں سے کوئی غصے کی وجہ سے لڑتا ہے اور کوئی غیرت کی وجہ سے جنگ کرتا ہے۔ تو آپ ﷺ نے اس کی طرف اپنے سر کو اٹھایا۔ آپ نے اس لئے اس کی طرف سر اٹھایا کہ وہ (سائل) کھڑا تھا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ قَاتَلَ لِتَكُوْنَ كَلِمَةُ اللهِ هِيَ العُلْيَافَهُوَ فِي سَبِيْلِ اللهِ عَزّ وَجَلّ»

" جو اس لئے لڑائی کرے تاکہ اللہ کے کلمہ کو سر بلندی حاصل ہو وہ اللہ عزوجل کے راستے میں ہے۔" (صحیح بخاری: 123)

اس حدیث کے تعلق ائمہ حدیث بیان فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے اس بات کی دلیل ملتی ہے کہ جواب دینے والے کا جواب دیتے وقت سوال کرنے والے کی جانب متوجہ ہونا مسنون ہے۔ اسی طرح امام ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"اس حدیث سے جواب دینے والے کا سائل کی طرف متوجہ ہونا ثابت ہے۔"

علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : "اس سے متکلم کا مخاطب کی طرف متوجہ ہونا ثابت ہے۔"

اسی طرح ایک اور حدیث میں ہے، حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

صَلّى بِنَارسولُ اللهِ ﷺ صَلَاةِ الصُّبْحِ ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهِ فَوَعَظَنَا مَوْعِظَةٌ بَلِيْغَة

"رسول اللہ ﷺ نے ہمیں صبح کی نماز پڑھائی پھر اپنے چہرے کے ساتھ ہماری طرف متوجہ ہوئے اور ہمیں انتہائی مؤثر وعظ فرمایا۔" (سنن ابن ماجہ:44)

جماعت یعنی کلاس روم پر سکون رہے:

استاذ کو اس بات کی تلقین کی گئی ہے کہ سب سے پہلے اپنے شاگردوں کو خاموش بٹھائے، طلباء کے سکوت اور خاموشی کے بغیر مدرس اپنی بات کیسے سمجھا سکے گا؟ طلباء کلاس میں شور کر رہے ہوں، کھیل رہے ہوں، باتیں کر رہے ہوں۔ اسی لئے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ' الجامع الصحیح' میں ان الفاظ کے ساتھ ایک باب باندھا ہے کہ "باب الانصات للعلماء" "علما کی بات خاموشی سے سننے کا باب" اس کی تشریح میں امام ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

"ان کی بات کو خاموشی اور دھیان سے سنے۔"

امام ابن بطال رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

" ان الانصات للعلماء لازم للمتعلمين

"علماء کی بات توجہ سے سننا طلباء پر لازم ہے۔" (صحیح بخاری / فتح الباری)

اس ضمن میں کچھ مثالیں بطور تعلیم کے دی گئی ہیں :

1۔ پہلی مثال خطبہ حجتہ الوداع کی ہے، جہاں ایک لاکھ صحابہ اکرام موجود تھے اور رسول اللہ ﷺ خطبہ دینے سے پہلے فرمایا:

«اسْتَخْصِتِ النّاسَ»

"لوگوں سے کہو کہ خاموش ہو جائیں۔" یہ سن کر لوگوں نے خاموشی اختیار کہ اس کے بعد آپ نے تاریخ ساز خطبہ دیا جو ملت اسلامیہ کے لئے تا قیامت مشعل راہ ہے۔

اس ضمن میں دوسری مثال یہ ہے کہ جب معلم سکھا رہا ہو اور طلباء کتابوں، قلم، کنکروں وغیرہ سے کھیل رہے ہوں تو یہ بہت ہی بے ہودہ حرکت ہے جس سے ان کی توجہ معلم کی جانب نہیں رہتی۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«وَمَنْ مَسّ الحَصَى فَقَدْ لَغَا»

"جس نے کنکریوں کو چھوا تو اس نے بے ہودہ حرکت کی۔" (صحیح ابن ماجہ:1847؛ صحیح الجامع:6553؛

الجامع الصغیر:9025حسن)

اس ضمن میں تیسری مثال یہ ہے کہ حضرت خباب رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے دروازے پر بیٹھے تھے کہ آپ ﷺ تشریف لائے تو فرمایا:

أَلَا تَسْمِعُوْن

"سنو" ہم نے عرض کیا:

قَدْ سَمِعْنَا "یقیناً ہم نے سنا (اسطرح آپ نے تین مرتبہ فرمایا جب سب لوگ متوجہ ہو گئے) تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّهُ سَيَكُوْنُ أُمَرَاءُ فَلَا تُصَدِّقُوْهُمْ بِكَذِبِهِمْ وَلَا تُعِيْنُوْهُمْ عَلَى ظُلْمِهِمْ، فَمَنْ صَدَّقَهُم بِكَذِبِهِمْ وَلَمْ يُعِنْهُمْ عَلَى ظُلْمِهِمْ فَهُوَ مِنِّي وَأَنَا مِنْهُ وَسَيَرِدُ عَلَى الحَوْضِ»

(ایک روایت میں :«إِنَّهُ سَيَكُوْنُ بَعْدِي أُمَرَاءُ» ایک اور روایت میں : إِنَّهُ سَيَكُوْنُ عَلَيْكُمْ أُمَرَاءُ" کے الفاظ ذکر کئے گئے ہیں۔

"بلاشک وشبہ میرے بعد امراء ہوں گے، تم ان کے جھوٹ کی تصدیق نہ کرنا اور نہ ہی ان کے ظلم پر ان کی اعانت کرنا کیونکہ جس نے ان کے جھوٹ کو سچ قرار دیا اور ان کے ظلم پر ان کی مدد نہیں کی وہ میرا ہے اور میں اس کا ہوں اور عنقریب وہ حوض کوثر پر آئے گا۔" (الامالی المطلقة: 219؛ حسن، صحیح الترغیب :2245؛ابن حبان:284؛مجمع الزوائد:1 25-5)

ان تمام احادیث سے اس بات کا علم ہوتا ہے کہ استاذ کو چاہئے کہ سبق پڑھانے سے پہلے طلباء کو خاموش کروائیں جب وہ خاموش ہو جائیں تو سبق کا آغاز کریں۔

طلباء کے حق میں دعا:

استاذ کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے طلباء کے حق میں دعا کرتا رہے عموما اساتذہ غصے میں اپنے شاگردوں کو برے الفاظ کا تبادلہ کرتے ہیں یہ بات نا مناسب ہے بلکہ انہیں دعائیں دینا چاہئے کیونکہ رسول اللہ ﷺ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو اپنے سینے سے لگا کر ان الفاظ میں دعا دی تھی کہ

اللهم عَلِّمْهُ الكِتَابَ

"اے اللہ! اس کو کتاب کو علم عطا فرما دیجئے۔" (صحیح بخاری : 3756)

اس دعا کا یہ اثر ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا کو قبول فرمایا اور آپ عظیم مفسر قرآن بن گئے۔ تمام صحابہ میں آپ حبر الأمة "ترجمان القرآن" کے لقب سے مشہور ہوئے۔

رسول اللہ ﷺ کے عظیم شاگردوں میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھی ہیں جو بھوکے، پیاسے اور فاقے کاٹ کر رسول اللہ ﷺ کے مدرسہ صفہ سے وابستہ رہے اور احادیث رسول حفظ کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے حق میں ان الفاظ میں دعا دی کہ

«اَللّٰهُمَّ حَبِّبْ عُبَيْدَكَ هَذَا يَعْنِي أَبَا هُرَيْرَةَ. وَأُمَّهُ إِلَى عِبَادِكَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَحَبِّبْ إِلَيْهِمُ الْمُؤْمِنِينَ»

"اے اللہ! اپنے اس چھوٹے سے بندے۔ یعنی ابو ہریرہ۔ اور اس کی ماں کو اپنے مؤمن بندوں کا محبوب بنا دیجئے اور مؤمنوں کو ان کا محبوب بنا دیجئے۔" (صحیح مسلم:6396)

رسول اللہ ﷺ کے تربیت یافتہ شاگردوں میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بھی ہیں، ان کے حق میں رسول اللہ ﷺ نے ان الفاظ میں دعا کی تھی:

«اَللّٰهُمَّ أَكْثِرْ مَالَهُ وَوَلَدَهُ. وَبَارِكْ لَهُ فِيْمَا أَعْطَيْتَهُ»

"اے اللہ! اس کے مال اور اولاد میں زیادتی عطا فرما اور جو کچھ تو اسے عطا فرمائے اس میں برکت عطا فرما۔" (صحیح بخاری :6378/6380)

اس دعا کا یہ اثر ہوا کہ حضرت انس کی اولاد، نواسے نواسیاں، پوتے پوتیاں جو زمین پر زندہ تھیں، ان کی تعداد 96 تھی اور کئی تو وفات بھی پا چکے تھے اور ان کے کھجور کے باغ میں کھجور کے 1000 ہزار درخت تھے، بسا اوقات رحمت باراں کا نزول صرف ان ہی کے باغ پر ہوتا۔ استاذ کی دعا کا بہت اثر ہوتا ہے اس لئے اساتذہ بد دعا دینے اور برا بھلا کہنے کے بجائے دعا کا سہارا لیں اگر ان کی دعا قبول ہو جائے تو شاگرد کامران ہو جائیں گے، اکثر اساتذہ کامیاب طالب علم کے حق میں دعائیہ الفاظ ادا کرتے ہیں اور کمزور طلباء کو نظر انداز کر دیتے ہیں یہ رویہ غلط ہے اس سے کمزور طالب علم کے حوصلے پست ہو جاتے ہیں۔

انداز تدریس:

استاذ کو چاہئے کہ وہ سبق پڑھاتے وقت واضح الفاظ کے ساتھ سبق پڑھائیں ٹھہر ٹھہر کر سبق پڑھائیں تا کہ طلباء کو سمجھنے میں آسانی ہو، سبق پڑھانے میں جلد بازی نہ کریں، اکثر اساتذہ کو نصاب مکمل کرنے کی دھن سوار ہوتی ہے، اسی لئے وہ جلدی جلدی کرتے ہیں، طالب علم سمجھے یا نہ سمجھیں اس سے انہیں کوئی غرض نہیں ہوتی، یہ اصول غلط ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ

كَانَ فِي كَلَامِ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ تَرْتِيْلٌ أَوْ تَرْسِيْلٌ

"رسول اللہ ﷺ کی گفتگو میں انتہائی ٹھہراؤ ہوتا تھا۔" (سنن ابو داؤد:4838، صحیح)

اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ ﷺ کی گفتگو میں ٹھہراؤ، توقف، حروف و حرکات کا خوب ادا کرنا شامل تھا۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ

كَانَ كَلَامُ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ كلاماً فصلاً يَفْهَمُهُ كُلُّ مَنْ سَمِعَهُ "رسول اللہ ﷺ کی گفتگو اس قدر واضح ہوا کرتی تھی کہ ہر سننے والا اسے سمجھ لیتا تھا۔" (سنن ابو داؤد:4279)

استاذ طلباء کی لیاقت کا خیال رکھیں :

استاذ کو چاہئے کہ وہ سبق پڑھاتے ہوئے طلباء کے فہم کا خیال رکھے، جب تک بچوں کو سمجھ میں نہ آجائے، آگے نہ بڑھے جب بچے دہرانے کے لئے کہیں تو اس بات کو دھرائیں سبق کو دھرانے میں کسی بھی قسم کی خفگی کا اظہار نہ کریں۔ اس سے طالب علم کے حوصلے پست ہو جاتے ہیں۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

يَا أَبَا سَعِيدٍ مَنْ رَضِيَ بِاللَّهِ رَبًّا، وَبِالْإِسْلَامِ دِيَا، وَبِمُحَمَّدٍ نَبِيًّا وَجَبَتْ لَهُ الجَنَّة

اے ابو سعید! جو اس بات پر راضی ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ اس کا رب ہے، اسلام اس کو دین ہے، اور محمد ﷺ اس کے نبی ہیں، اس کے لئے جنت واجب ہو گئی۔"

اس بات سے خوش ہو کر ابو سعید رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

أَعِدْهَا عَلَيّ يَارَسُوْلَ اللهِ ﷺ

" یا رسول اللہ ﷺ ! میرے لئے یہ بات دوبارہ فرمادیجئے۔" (صحیح مسلم 4879)

بعض احادیث میں رسول اللہ ﷺ کا بات کو دو، دوبار، اور تین تین بار دہرانا بھی ثابت ہے۔

نقش و نگار کے ذریعہ طلباء کی تفہیم :

استاذ کو چاہئے کہ وہ بچوں کو نقشے (ڈائی گرام) ڈال کر سبق سمجھائیں، اس سے سبق اور آسانی سے سمجھ میں آجائے گا۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمارے لئے ایک لکیر کھینچی، پھر فرمایا : یہ اللہ تعالیٰ کی راہ ہے، پھر آپ ﷺ نے اس کی دائیں جانب اور اس کی بائیں جانب لکیریں کھینچیں اور فرمایا کہ یہ (جدا جدا، الگ الگ) راہیں ہیں، ان میں سے ہر راہ پر شیطان بلا رہا ہے اور آپ نے قرآن کی یہ آیت پڑھی:

﴿وَأَنَّ هَذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيماً﴾(سنن ابن ماجہ : 11 ؛ صحیح ابن حبان : 16؛ المستدرک علی الصحیحین:3283؛ تخریج مشکاۃ المصابیح: 165)

اسی طرح ایک اور حدیث میں ہے حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ایک مربع (چار کونی) شکل بنائی اور اس کے درمیان ایک لکیر کھینچی جو اس سے نکلی ہوئی تھی اس کے درمیانی لکیر کی طرف چھوٹی چھوٹی لکیریں کھینچیں اور فرمایا: یہ انسان ہے، اور یہ اس کی موت اس کو گھیرے ہوئے ہے اور یہ باہر نکلی ہوئی لکیر اس کی آرزو ہے، اور یہ چھوٹی چھوٹی لکیریں اس کی مشکلات و مصائب ہیں پس وہ اگر ایک سے بچ نکلتا ہے تو دوسری میں پھنس جاتا ہے اور دوسری سے نکلتا ہے تو تیسری میں پھنس جاتا ہے۔" (مسند احمد:9824)

مثالوں کا استعمال:

استاذ کو چاہئے کہ وہ مثالیں دے کر سبق سمجھائے کیونکہ مثالوں سے سبق بآسانی سمجھ میں آجاتا ہے یہ طریقہ رسول اللہ ﷺ کا تھا، حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«إِنّ مِثْلِي وَمِثْلَ الأَنْبِيَاءِ مِنْ قَبْلِي كَمَثَلِ رَجُلٍ بَنَى بَيْتًا فَأَحْسَنَهُ وَأَجْمَلَهُ إِلّا مَوْضِعَ لَبِنَةٍ مِنْ زَاوِيَةٍ، فَجَعَلَ النّاسُ يَطُوْفُوْنَ بِهِ، وَيَعْجِبُوْنَ لَهِ وَيَقُوْلُوْنَ هَلّا وُضِعَتْ هَذِهِ اللّبِنَةُ قَالَ: فَأَنَا اللّبِنَةُ وَأَنَا خَاتِمَ النّبيين»

"میری اور مجھ سے پہلے انبیاء کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص نے کوئی عمارت بنائی اور اس کو خوب آراستہ و پیراستہ کیا لیکن اس کے کونوں میں سے ایک کونے میں ایک اینٹ کی جگہ چھوٹ گئی لوگ اس میں گھومتے رہے اور اس کو دیکھ کر خوش ہوتے رہے اور کہتے رہے اس اینٹ کو کیوں نہیں رکھا گیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تو میں ہی وہ اینٹ ہوں اور میں خاتم النبیین ہوں۔" (صحیح بخاری :3535)

اسی طرح ایک اور حدیث میں مثال دیتے ہوئے فرمایا:

«مَثَلُ الّذِي يَذْكُرُ رَبّهُ وَالّذِي لا يَذْكُرُ رَبّهُ مَثَلُ الحَی وَالمَيّت»

"اپنے رب کا ذکر کرنے والے اور ذکر نہ کرنے والے کی مثال زندہ اور مردہ جیسی ہے۔" (صحیح بخاری:6407،6460)

اسی طرح ایک اور مثال دے کر سمجھایا کہ

«مَثَلُ الجَلِيسِ الصّالِحِ ، وَالجَلِيْسِ السُّوْءِ ، كَمَثَلِ صَاحِبَ المِسْكِ، وَكِير الحَدّادِ ، لا يَعْدَمُكَ مِنْ صَاحِبِ المِسْكِ، إمّا تَشْتَرِيْهِ أَوْتَجِدُ رَيْحَهُ ، وَكِيَرَ الحَدّادِ يُحْرِقُ بَدَنَكَ أَوْثَوْبَكَ أَوْتَجِدُ مِنْهُ رِيْحاً خَبِيْثَةً»

"نیک ساتھی اور برے ساتھی کی مثال کستوری بیچنے والے عطار اور بھٹی دھونکنے والے لوہار کی مانند ہے، مشک بیچنے والے کے پاس سے تم دو اچھائیوں میں سے ایک نہ ایک ضرور پالوگے، یا تو مشک ہی خرید لوگے، ورنہ کم از کم اس کی خوشبو تو ضرور ہی پاسکو گے لیکن لوہار کی بھٹی یا تو تمہارے بدن اور کپڑے کو جھلسادے گی ورنہ بدبو تو اس سے ضرور پالوگے۔"""
(صحیح بخاری: 2101؛ صحیح مسلم2628)

سبق سے متعلق اجمالی سوالات:

استاذ کے لئے ضروری ہے کہ وہ جب بھی سبق پڑھانے جا رہا ہو، اس سے متعلق بچوں سے اجمالی سوالات کرے تاکہ ان کی معلومات کا جائزہ لیا جا

سکے۔ بعض بچے ذہین ہوتے ہیں وہ مقصد کو پہنچ جاتے ہیں، یہ بھی سبق پڑھانے کا ایک اسلوب ہے جسے معلم انسانیت ﷺ نے سکھایا تھا۔ ایک مرتبہ صحابہ کرام کی جماعت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں تشریف فرما تھی تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے سوال کیا کہ

«إِنّ مِنَ الشّجَرِ شَجَرَةً لَا يَسْقُطُ وَرَقُهَا وَإِنّهَا مَثَلُ الْمُسْلِمِ فَحَدِّثُوْنِيْ مَاهِيَ؟ فَوَقَعَ النّاسُ فِي شَجَرِ البَوَادِ. قَالَ عِبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ: وَقَعَ فِي نَفْسِي أَنّهَا النّخْلَةُ . ثُمّ قَالُوْا: حَدّثنا مَاهِيَ يَارَسُوْلِ اللهِ؟ قَالَ: هِيَ النّخْلَة»

”درختوں میں سے ایک درخت ایسا ہے کہ اس کے پتے نہیں جھڑتے اور وہ یقیناً! مسلمان کی مانند ہے۔ پس بتلاؤ کہ وہ کون سا درخت ہے؟ لوگوں کا خیال جنگل کے درختوں کی طرف دوڑا۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ (جو اس وقت معصوم بچے تھے) میرے دل میں آیا کہ وہ کھجور کا درخت ہے، مگر شرمایا (اور خاموش رہا کیونکہ اس مجلس میں بڑے بڑے صحابہ موجود تھے، بزرگوں کے بیچ گفتگو بے ادبی تصور کی جاتی ہے اسی لئے عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے سکوت اختیار کیا) پھر صحابہ نے عرض کیا: ”اللہ کے رسول ﷺ ہمیں بتلائیے کہ وہ کونسا درخت ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ کھجور کا درخت ہے۔“ (صحیح بخاری 61,62,72)

اسی طرح ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کی جماعت سے سوال کیا کہ

قَالَ أَتَدْرُوْنَ مَا المُفْلِس ؟ قَالَ: المُفْلِسُ فِيْنَامَنْ لا دِرْهَمَ لَهُ وَلَا مَتَاع فَقَالَ: «إِنّ المُفْلِسَ مِنْ أُمّتِي يَأْتِي يَوْمَ القِيَامَة بِصَلَاةٍ وَزَكَاة وَيَأْتِي قَدْ شَتَمَ هذا، وَأكل مال هذا، وَسَفَكَ دَم هذا، وَضَرَبَ هذا، فيعطى هذا مِنْ حَسَنَاتِهِ وَهَذَا مِنْ حَسَنَاتِهِ قبل أَنْ يَقْضِي مَا عَلَيْهِ أخذ مِنْ خَطَايَاهم فطرحت عَلَيْهِ ثُمّ طُرِحَ فِي النّارِ»

”کیا تم جانتے ہو کہ مفلس کون ہے؟ صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ ہم میں سے مفلس وہ ہے جس کے پاس درہم و دینار اور ساز و سامان زندگی نہ ہو اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "بے شک میری امت کا مفلس وہ ہے جو قیامت کے روز نماز، روزے، زکوۃ کے ساتھ آیگا اس نے کسی کو گالی دی ہوگی، کسی پر تہمت باندھی ہوگی کسی کا مال ناجائز کھایا ہوگا، کسی کا خون ناحق بہایا ہوگا، اور کسی کو ناجائز مارا ہوگا اس مظلوم کو اس کی نیکیوں سے بدلہ دیا جائیگا۔ دوسرے کو بھی اس کی نیکیوں سے بدلہ دیا جائیگا اسی طرح اگر اس کے ذمہ حقوق کی ادائیگی باقی رہ جائیگی اور نیکیاں ختم ہو جائیں گی تو ان مظلوموں کے گناہوں کو اس ظالم کے حصے میں ڈالا جائیگا۔“ (صحیح مسلم 6579؛ جامع ترمذی: 2418؛ سلسلہ صحیحۃ: 1313)

کنائے واستعارے اور رموز کا استعمال:

استاذ کے لئے ضروری ہے کہ دوران سبق شرم و حیاء کی باتوں، سیاسی باتوں، راز کی باتوں کو کنایہ و استعارے کے ذریعہ سمجھائیں یہ اسلوب اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے بیان کئے ہیں، جیسے حضرت آدم وحوا علیہا السلام کو اس بات کا حکم دیا کہ

﴿ولا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشّجَرَةَ﴾

”تم دونوں اس درخت کے قریب نہ جاؤ۔“ اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ

﴿فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ﴾

”اپنے جوتوں کو اتارو۔“ اسی طرح یوسف علیہ السلام کے واقعہ میں ملکہ عزیز کے بارے میں فرمایا:

﴿ قَالَتْ هَيْتَ لك﴾

”لو آجاؤ۔“ (سورۃ البقرۃ:35؛ سورہ طہ:12؛ سورہ یوسف:23)

اسی طرح ایک حدیث میں آتا ہے کہ سات قسم کے لوگوں کو اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اپنے عرش کے سائے میں جگہ دے گا (جس میں سے ایک):

«وَرَجُلٌ دَعَتْهُ اِمْرَأَةٌ ذَاتَ مَنْصَبٍ وَجَمَالٍ إِلَى نَفْسِهَا، فَقَالَ : أَخَافُ اللهِ عَزّوَجَلّ»

” وہ آدمی جس کو کسی حسب و نسب اور حسن والی عورت نے بلایا تو اس نے جواب دیا کہ یقیناً میں اللہ سے ڈرتا ہوں۔۔۔“

یہاں رسول اللہ ﷺ نے کنایہ کیا کہ

”اس عورت نے اسے طلب کیا۔“ کیوں ”بدکاری کی غرض“ سے اسی بات کو کنایہ کیا گیا۔ یہ چند گزارشات تھے جو عرض کر دئے گئے ہیں، اس ضمن میں اور بہت سے باتیں ہوسکتی ہیں۔ بہر حال ہمارے اساتذہ کو چاہئے کہ وہ اسلوب تعلیم میں نبوی طریقہ اختیار کریں۔

☆☆☆

ذوالحجہ کے دس ایام میں اعمال صالحہ کرنا

کیونکہ اللہ تعالیٰ کو اعمال صالحہ محبوب ہیں اور اس وجہ سے یہ لازم ہے کہ اس کا اجر و ثواب بھی اللہ تعالیٰ سے بہت زیادہ ملے گا، لہٰذا جس کے لیے حج کرنا ممکن نہیں اسے چاہیے کہ وہ ان افضل ایام واوقات کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرمانبرداری میں گزارتے ہوئے نماز اور قرآت قرآن کریم اور ذکر واذکار اور دعا وصدقہ وخیرات اور والدین سے حسن سلوک اور نیکی کا حکم اور برائی سے روکنے اور اسی طرح دوسرے خیر وبھلائی کے موں کا خاص اہتمام کرے۔

☆☆☆



ارشادِ ربانی ہے:

﴿إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِندَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتَابِ اللَّهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ﴾ (سورۃالتوبہ:36)

”اللہ کے ہاں سال بھر کے مہینوں کی تعداد بارہ ہے۔ یہ معاملہ نوشتہ الٰہی میں اسی دن سے ہے جس دن اللہ نے زمینوں اور آسمانوں کو پیدا کیا۔ ان بارہ مہینوں میں سے چار مہینے حرمت والے ہیں۔“

محرم، رجب، ذوالقعدہ اور ذوالحجہ۔ یہ چار ماہ حرمت والے ہیں۔(مسند احمد)

ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَالْفَجْرِ 0 وَلَيَالٍ عَشْرٍ﴾ (سورۃالفجر:1۔2)

”قسم ہے فجر کی اور قسم ہے 10 راتوں کی۔“

نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

”عشر سے مراد ماہ ذوالحجہ کے ابتدائی 10 دن ہیں۔“ (مسند احمد)

عشرہ ذوالحجہ سال کے افضل ترین دن ہیں۔ ان میں عبادت کرنا، اللہ کو بہت پسند ہے۔(صحیح بخاری)

عشرہ ذوالحجہ میں کثرت سے تہلیل، تکبیر اور تحمید یعنی لا إله إلا الله والله أكبر ولله الحمد کہنا چاہیے۔(مسند احمد)

عرفہ کے دن (ذوالحجہ کی نویں تاریخ) کو اللہ تعالیٰ بہت سے لوگوں کو جہنم سے آزاد کرتا ہے۔ (سنن ابن خزیمہ)

عرفہ کے دن روزہ رکھنے سے سال گزشتہ اور سال آئندہ کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔(صحیح مسلم)

مقامی رؤیت ہلال کے اعتبار سے ذوالحجہ کی نویں تاریخ عرفہ کہلائے گی۔

جو قربانی کرنا چاہیں وہ ذی الحجہ کا چاند دیکھنے کے بعد قربانی کرنے تک اپنے بال اور ناخن نہ تراشیں۔(صحیح مسلم)

جو قربانی نہ دے سکتے ہوں وہ بھی نماز عید کے بعد بال اور ناخن کٹائیں تو انہیں بھی قربانی کا ثواب ملے گا۔ (مسند احمد، سنن ابو داؤد)

عید کے دن اچھا لباس پہننا اور خوشبو لگانا مسنون ہے۔(مستدرک حاکم)

عید الاضحیٰ کی نماز، عید الفطر کی نماز کے وقت سے پہلے پڑھنا چاہیے، احادیث میں آتا ہے کہ جب سورج ایک نیزہ برابر بلند ہوتا تو آپ ﷺ نماز عید الاضحیٰ ادا فرماتے تھے اور سورج دو نیزے برابر بلند ہوتا تو نماز عید الفطر ادا فرماتے۔ مسند احمد)

عید گاہ کو پیدل جانا مسنون ہے لیکن ضرورت ہو تو سواری استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (فتاوی از شیخ ابن عثیمین)

عید الاضحیٰ کی نماز کو جاتے ہوئے کچھ نہ کھا کر جانا اور نماز کے بعد قربانی کا گوشت تناول کرنا سنت ہے۔ (صحیح بخاری)

عید گاہ کو پیدل جانا مسنون ہے لیکن ضرورت ہو تو سواری استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (فتاویٰ للشیخ العثیمین)

عید کی نماز آبادی سے باہر کھلے میدان میں ادا کرنا مسنون ہے، بصورت مجبوری مسجد میں ادا کی جا سکتی ہے۔(سنن ابو داؤد)

افسوس کہ برطانیہ اور یورپی ممالک میں چونکہ موسم اکثر و بیشتر سرد، تیز ہواؤں، آندھیوں، بارشوں والا اور غیر متوقع ہوتا ہے اس لیے عموماً اس سنت پر عمل آوری نہیں ہوتی۔ جب یہ عذر نہ ہو تو اس سنت پر عمل پیرا ہونا چاہیے۔

الحمدللہ، آج کل اس سنت پر عمل آوری ہو رہی ہے۔

عورتوں کو عید گاہ لے جانا مسنون ہے۔ اگر عذر شرعی کی وجہ سے نماز ادا نہ کر سکتی ہوں تب بھی وہ عید گاہ جائیں تاکہ عید کی خوشی اور دعا میں شامل ہو سکیں۔(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

نماز عید کے لیے جانے والی خواتین عطریات اور خوشبو کا استعمال نہ کریں تاکہ مردوں کے لیے فتنہ کا باعث نہ بن سکیں۔(صحیح مسلم)

نماز عید کی دو رکعت ہیں، اس کے لیے اذان و اقامت کی ضرورت نہیں ہے۔(مسند بزار)

عید گاہ میں نماز عید سے پہلے یا بعد میں کسی قسم کی نماز خواہ وہ سنت ہو کہ نفل، حضور ﷺ سے ثابت نہیں۔(فقہ السنہ)

عید کی نماز میں تکبیر تحریمہ کے علاوہ 12 تکبیریں کہنی مسنون ہیں، پہلی رکعت میں قراءت سے پہلے 7 تکبیریں کہیں اور دوسری رکعت میں قراءت سے پہلے پانچ تکبیریں اور ہر تکبیر پر رفع الیدین کرنا مسنون ہے۔(مسند احمد)

نماز عید کی پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۃ الاعلیٰ، سورۃ الجمعہ اور سورۃ ق میں سے کوئی ایک سورۃ پڑھنا اور دوسری رکعت میں سورۃ الغاشیہ، سورۃ المنافقون اور سورۃ القمر میں سے کوئی ایک سورۃ پڑھنا مسنون ہے۔(صحیح مسلم)

اگر کسی کی نماز عید کی جماعت چھوٹ جائے تو وہ زائد تکبیرات کے ساتھ دو رکعت پڑھ لے۔ (صحیح بخاری)

نماز عید کے بعد خطبہ ہوگا اور خطبہ میں اجتماعی دعا ہو گی۔ (سنن ابن ماجہ)

کھڑے ہو کر خطبہ دینا مسنون ہے، نبی کریم ﷺ کھڑے ہو کر خطبہ دیا کرتے تھے۔ (مسند بزار)

عیدین کے خطبے بغیر کسی عذر کے بیٹھ کر دینا مناسب نہیں ہے۔ نبی کریم ﷺ سے عیدین کے موقعوں پر بیٹھ کر خطبہ دینا ثابت نہیں ہے، حتیٰ کہ ان موقعوں پر آپ ﷺ مردوں کو خطبہ دینے کے بعد اس خیال سے کہ عورتوں کو پوری طرح آواز نہ پہنچی ہو گی، آپ ﷺ ان کے قریب تشریف لے جاتے اور دوبارہ انہیں مخاطب فرماتے تھے، بیٹھتے نہیں تھے، آج کل عیدین کے موقع پر غیر اہل حدیث خطباء حضرات کی اکثریت کا یہ معمول بن چکا ہے کہ وہ بیٹھ کر خطبہ دیتے ہیں، جن کی نمایاں تصاویر اخبارات اور رسائل کی زینت بھی بنتی ہیں۔

بدقسمتی سے کتاب و سنت سے دوری کی وجہ سے کئی بدعات و خرافات ہماری عبادات اور مساجد میں داخل ہو گئی ہیں، ان میں یہ بدعت بھی شامل ہے، اس لیے علماء کرام اور خطیب حضرات کی خدمت میں گزارش ہے کہ وہ سنت نبوی ﷺ پر عمل پیرا ہوں اور اس بدعت سے احتراز و اجتناب کریں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے: ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (سورۃ الاحزاب:21)

"یقیناً تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ میں عمدہ نمونہ (موجود) ہے۔"

قربانی کا جانور نماز عید کے بعد ذبح کرنا چاہیے اگر کوئی نماز عید سے پہلے ذبح کر ڈالے تو وہ قربانی نہیں ہو گی۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

برطانیہ میں بعض بے دین قسم کے دوکاندار اور تاجر لوگ پیشگی قربانی کے آرڈر لے لیتے ہیں اور نماز عید سے قبل بلکہ رات ہی میں ذبح کر کے صبح تک ان کا حصہ تیار کر کے ڈبوں میں پیک کر دیتے ہیں اور گاہک خوش ہو جاتے ہیں کہ نماز عید سے فراغت ہوتے ہی ان کی قربانی ادھر کٹی کٹائی تیار ہے اور جو لوگ خود سلاٹر ہاؤس (کمیلہ) جاتے ہیں بسا اوقات اس کام میں پورا دن صرف ہوتا ہے، بعض دفعہ تیار شدہ گوشت دوسرے دن گھر پہنچتا ہے، پچھلے سالوں برطانیہ کے مسلم قائدین اور علماء کرام نے جب حلال گوشت کی جانچ پڑتال شروع کی تو بے ایمانی اور غیر دیانتداری کی ایسی کریہہ مثالیں سامنے آئیں کہ الامان والحفیظ!

اللہ انہیں ہدایت دے جو دنیا کی خاطر اپنی عاقبت برباد کر رہے ہیں، اس لیے قربانی کا آرڈر دینے والوں کو اس بات کا اطمینان کر لینا چاہیے کہ ان کی قربانی نماز عید سے پہلے ذبح نہ ہو جائے۔

رسول اکرم ﷺ مدینہ منورہ میں 10 سال رہے اور ہر سال برابر قربانی کرتے رہے۔ (جامع ترمذی)

پورے گھر کی طرف سے ایک قربانی کافی ہے۔ (جامع ترمذی)

قربانی کے جانور کے ہر ہر بال پر ایک ایک نیکی ملے گی۔ (مستدرک حاکم)

قربانی کا جانور لاغر اور بیمار نہ ہو، ٹوٹے ہوئے سینگ والا، اندھا، کانا، لنگڑا اور نصف سے زیادہ کان کٹا ہوا نہ ہو۔ (سنن ابن ماجہ)

ایک اونٹ یا گائے کی قربانی میں 7 حصہ دار شریک ہو سکتے ہیں۔ (صحیح مسلم)

بغیر سود کے قرض حسنہ لے کر قربانی کرنا جائز ہے۔

10 ذوالحجہ سے 13 ذوالحجہ کی عصر تک قربانی کی جاسکتی ہے۔ (نیل الاوطار للشوکانی)

قربانی کا جانور اپنے ہاتھ سے ذبح کرنا بہتر ہے لیکن ضرورت پر دوسروں سے بھی ذبح کروا سکتے ہیں۔ (صحیح بخاری)

قربانی رات کے وقت بھی کی جاسکتی ہے۔ (فقہ السنہ)

قربانی کا گوشت خود استعمال کرنا، فقراء و مساکین کو دینا، دوست و احباب اور خویش و اقارب میں تقسیم کرنا مسنون ہے۔ (فقہ السنہ)

جہاں غرباء و مساکین یا عزیز و اقارب نہ ہوں وہاں سارا گوشت خود بھی رکھ سکتے ہیں۔ (فتاویٰ صراط مستقیم، مولانا محمود احمد میرپوری)

قربانی کا گوشت غیر مسلموں کو بھی دیا جا سکتا ہے۔ (فتاویٰ صراط مستقیم، مولانا محمود احمد میرپوری)

قربانی کا گوشت قصاب کو بھی دیا جا سکتا ہے۔ البتہ اس کی اجرت اور مزدوری کے بدلے میں قربانی کا گوشت یا کھال دینا جائز نہیں ہے۔ (فقہ السنہ)

برطانیہ میں چونکہ کھالیں سلاٹر ہاؤس (مذبح) والے لیتے ہیں اور جانور کی قیمت میں اس کی کھال شامل نہیں ہوتی، اس لیے احتیاط اس میں ہے کہ یہاں قربانی کرنے والے حضرات اس کے عوض چار، پانچ، دو پاؤنڈ اللہ کی راہ میں خیرات کر دیں۔

استطاعت رکھنے کے باوجود قربانی نہ کرنے والوں پر بڑی وعید آئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: " جو استطاعت رکھنے کے باوجود قربانی نہ کرے وہ مسلمانوں کی عید گاہ میں نہ آئے۔" (مسند احمد، سنن ابن ماجہ)

جائز طریقے سے عید کے دن خوشی اور مسرت کا اظہار کرنا، اچھے کپڑے زیب تن کرنا، اچھے کھانا تناول کرنا، معقول شعر و شاعری کی محفلوں کو منعقد کرنا، اہل و عیال، دوست واحباب کے ساتھ سیر و تفریح، جشن ہائے عید کا اہتمام کرنا جائز بلکہ عید کا تقاضا ہے، ایسے موقع پر اللہ کے نبی ﷺ نے اپنے اہل و عیال کے ساتھ خوشی کا اظہار فرمایا ہے۔ (خلاصہ

فقہ السنہ)

عشرہ ذوالحجہ سال کے افضل ترین دن ہیں۔ ان میں عبادت کرنا اللہ کو پسند ہے۔(صحیح بخاری)

ذوالحجہ میں ایک عمل کا ثواب 700 گناہ تک مل سکتا ہے۔(الترغیب والترہیب)

عشرہ ذوالحجہ میں نفلی روزوں کی بڑی فضیلت ہے۔ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ان مبارک ایام میں روزے رکھا کرتے تھے۔(سنن ابوداؤد)

عرفہ کے دن اللہ تعالیٰ بہت سے لوگوں کو جہنم سے آزاد کرتا ہے۔(سنن ابن خزیمہ)

غیر حاجی کے لیے عرفہ کے روزہ سے اللہ تعالیٰ سال گزشتہ اور آنے والے سال کے گناہ معاف فرما دیتا ہے۔ لہٰذا 9 ذوالحجہ (یوم عرفہ) کو روزہ رکھنا سنت ہے۔(صحیح مسلم:1162)

عید یعنی ذوالحجہ کے دسویں رات قیام کی بڑی فضیلت ہے۔(سنن ابن ماجہ)

نماز عید کے لیے ایک راستہ سے آنا اور نماز کے بعد دوسرے راستے واپس ہونا مسنون ہے۔(صحیح بخاری)

عید کے دن اور ایام تشریق (ذوالحجہ کی 11، 12 اور 13 تاریخ میں روزہ رکھنا منع ہے۔(فتح الباری)

9 ذوالحجہ کی فجر سے 13 ذوالحجہ کی عصر تک فرض نماز کے بعد بلند آواز سے تکبیر کہنا چاہیے۔ نماز کے علاوہ جب بھی موقع ملے تکبیرات کہتے رہنا چاہیے۔(فقہ السنہ)

عید کی نماز کو آتے ہوئے اور عیدگاہ میں نماز سے پہلے بلند آواز سے تکبیر کہیں۔

تکبیر یہ ہے: اللہ أکبر اللہ أکبر لا إلہ إلا اللہ واللہ أکبر، اللہ أکبر وللہ الحمد (فقہ السنہ)

عورتیں بھی اپنی یا دوسروں کی قربانی کے جانور اپنے ہاتھ سے ذبح کر سکتی ہیں۔(صحیح بخاری)

☆☆☆

حاجیوں کے نام مبارک بادی کا پیغام

تمہیں مومنو! حج کو جانا مبارک
جزائے عمل حق سے پانا مبارک
وہ اللہ سے لو لگانا مبارک
حرم کو جبیں سے بسانا مبارک
عبادت میں سر کو جھکانا مبارک
غمِ ماسوا کو بھلانا مبارک
علائق پہ قینچی چلانا مبارک
گناہوں سے دامن بچانا مبارک
رہِ حق میں دولت لٹانا مبارک
قدم نیکیوں میں بڑھانا مبارک
صنم خانۂ کبر و نفسانیت کو
خود اپنے ہی ہاتھوں سے ڈھانا مبارک
وُفورِ تمنا سے بے تاب ہو کر
مسرت کے آنسو بہانا مبارک
وہ حق کی اشاعت میں سرگرم ہر دم
وہ باطل کا غرّہ مٹانا مبارک
شہنشاہ کونین کے آستاں پر
بصد آرزو تم کو جانا مبارک
جو ہے تم سے روٹھا ہوا ربِّ کعبہ
اسے ہر طرح اب منانا مبارک
بصد شوق آنا لب چاہ زمزم
وہ جی بھر کے پینا پلانا مبارک
کبھی خلوت شب میں وہ اشک ریزی
کبھی زیرِ لب مسکرانا مبارک
زیارت کی خاطر مدینہ کو جانا
سعادت کا گنجینہ پانا مبارک
حرم کی مقدس فضاؤں میں ہر دم
دعا کے لئے ہاتھ اُٹھانا مبارک
سلامت یہاں لوٹ کے آؤ جب تم
وہ ساتھ اپنے برکات لانا مبارک
پہنچ کر سرِ بارگاہِ رسالت
یہ ہر شوق نغمہ سنانا مبارک
یہ پیغام حماد تم یاد رکھو
دلوں کو تمنا سے آباد رکھو

ابو لبیان حماد

☆☆☆

ذوالحجہ کے دس دنوں میں برائیوں سے دوری

ذوالحجہ کے ابتدائی دس دنوں میں جس طرح ہر نیکی کا ثواب بڑھ جاتا ہے ایسے ہی گناہوں کا ارتکاب بھی سنگین اور شدید رخ اختیار کر لیتا ہے۔ اس لئے کہ یہ شریعت کا ایک عام قاعدہ ہے کہ فضیلت والے اوقات یا مقامات میں جس طرح نیکیوں کو عظمت حاصل ہو جاتی ہے ایسے ہی گناہوں کا ارتکاب خطرناک ہو جاتا ہے۔

لہٰذا ایک مسلمان کو ایسے تمام گناہوں اور نافرمانیوں سے بچنا چاہئے جو اللہ تعالی کے غضب یا لعنت کا باعث ہوں۔ مثلاً: سود خوری، رشوت خوری، زناکاری، چوری، ناحق کسی کا قتل، یتیموں کا مال کھانا، کسی کی جان اور مال یا عزت و آبرو پر کسی قسم کا ظلم کرنا، معاملات میں فریب اور دھوکا دہی کا ارتکاب، امانتوں میں خیانت، والدین کی نافرمانی، رشتے توڑنا، بغض و کینہ رکھنا، اللہ کے حق کے بغیر تعلقات توڑنا اور بات چیت بند رکھنا، شراب پینا یا کسی اور نشہ آور چیز کا استعمال کرنا، غیبت و چغلی، جھوٹ بولنا اور جھوٹی گواہی دینا، ناحق دعوے کرنا اور جھوٹی قسمیں کھانا، کبر و غرور میں مبتلا ہونا، کپڑوں کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانا، گانے سننا اور آلاتِ موسیقی اپنے پاس رکھنا، گندی اور عریاں فلمیں اور مجرمانہ سیریل دیکھنا، تاش اور پتے کھیلنا، عورتوں کا بے پردگی کرنا۔ اور ان کے علاوہ وہ تمام کام جن سے اللہ اور اس کے رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے منع فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان مقدس ایام میں زیادہ سے زیادہ نیک اعمال کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔



پروفیسر ساجد میر رحمۃ اللہ کو لوگ نہیں جانتے!

یوسف سراج (اینکر پیغام ٹی وی)

ساجد میر صاحب کو بہت کم لوگ جانتے ہیں، یعنی اس ساجد میر کو جو دراصل ان کی طبع تھی اور ذوق تھا اور جو ان کی اصل شخصیت تھی۔ باقی سب، جتنے لوگ بھی پروفیسر صاحب کو جانتے ہیں، وہ ان کو دور سے جانتے ہیں، ان کی شخصیت میں قرون اولیٰ کے لوگوں کی سی چھب تھی، سادہ اور نفیس انتہا کے تھے، باذوق تھے، اردو ادب اور شاعری سے گہرا شغف تھا، شعر کا یا اردو کے کسی بھی لفظ کا غلط تلفظ برداشت نہ کر سکتے تھے، یہ چیز شائد ان کے ہاں موروثی بھی تھی اور ماحول سے بھی ملی تھی، اردو کے مشہور شاعر فیض احمد فیض نا صرف آپ کے محلے کے تھے بلکہ آپ کے دادا ابراہیم میر سیالکوٹی کے کتب خانے سے متاثر اور مستفید بھی ہوئے تھے، انھوں نے شروع میں قرآن بھی آپ کے دادا سے پڑھا تھا، بلکہ حفظ کرتے رہے تھے۔ ابراہیم میر سیالکوٹی کے کتب خانے کا تذکرہ فیض احمد فیض پی ٹی وی پر اپنے ایک انٹرویو میں بھی کر چکے ہیں، علامہ اقبال بھی آپ کے دادا کے علم و فضل سے متاثر بھی تھے اور اس حوالے ان کے مداح بھی تھے، یہ جملہ وہاں کافی مشہور ہوا، جب اقبال نے ابراہیم میر سیالکوٹی سے کہا کہ ابراہیم آپ ان صفوں پر بیٹھ کر ہم سے اچھے رہ گئے ہیں، اصل جملہ پنجابی میں یوں تھا، ابراہیم توں ایناں پھوڑیاں تے بہہ کے ساڈے نالوں چنگا رہ گیا ایں۔

قرآن سے محبت کی آپ ایک اچھوتی مثال تھے، والدہ کو دیکھا نہیں تھا، وہ پہلے ہی داغ مفارقت دے گئی تھیں، جب آپ صرف دو اڑھائی ماہ کے تھے۔ کسی نے غالبا بڑی بہن صاحبہ نے بتایا کہ والدہ کی خواہش تھی اپنے بیٹے کو حافظ قرآن بنانے کی، آٹھویں کے بعد ارادہ کیا تو دادا نے عجیب لہجے میں فرمایا، حفظ تو اللہ کروا ہی دے گا، تم سکول کی جدید تعلیم پر توجہ دو، دل میں لیکن والدہ کی خواہش پوری کرنے کی تمنا سلگتی رہی اور خود سے یاد کرنا شروع کر دیا، ایک ماموں حکیم بھی تھے اور بڑے پختہ حافظ بھی، جن کے لبوں پر دائم قرآن رہتا، سورتیں یاد کر کے انھیں سنا دیا کرتے، یوں کچھ انٹر کے بعد، کچھ بی اے کے بعد اور کچھ پروفیسر بننے کے بعد سٹاف روم میں بیٹھ کے آہستہ آہستہ مکمل قرآن یاد کر لیا اور زندگی میں کبھی تراویح میں قرآن سنانے سے ناغہ نہیں کیا، سوائے چند ایک بار کے جب بیرون ملک سفر وغیرہ کی وجہ سے کوئی سبیل نہ بن سکی۔ سیاست، جماعت کی قیادت یا دیگر مصروفیات کبھی اس راہ میں رکاوٹ نہ بن سکیں، یوں بھی ہوتا کہ رمضان کے دن ہیں، سینٹ کا کوئی اجلاس ہے اور یہاں ان کی مسجد میں لوگ انتظار میں بیٹھے ہیں کہ میر صاحب اسلام آباد سے پہنچیں گے تو آج کی تراویح پڑھائیں گے۔

خاندانی جائیداد بڑی وسیع اور قیمتی تھی، کافی ساری تو عید گاہ وغیرہ کے لیے وقف کر دی۔ بیگم بھی صاحب علم تھیں۔ مقبول ناول نگار عمیرہ احمد نے ایک ملاقات میں مجھے بتایا کہ سیالکوٹ کالج میں عمیرہ احمد کی میر صاحب کی بیگم استاد رہیں۔ انھوں نے بڑے اچھے الفاظ میں اپنی استاد کا تذکرہ کیا۔

گفتگو ایسی جامع، ہمہ جہت اور شائستہ کرتے کہ سننے والا اش اش کر اٹھتا، عملا مذہبی آدمی تھے مگر طبعا اردو ادب کے ذوق سے حظ وافر پایا تھا۔ تکلفات کے عادی نہ تھے، آخری عمر تک بے تکلف کفایت شعاری اور سادگی سے جیتے رہے، ابھی حال ہی میں جماعت اسلامی کے لیاقت بلوچ کے سنگ جانے والے کسی صاحب نے آپ کے کمرے کا جو نقشہ کھینچا، اسے ڈھونڈ کے پڑھ لینا چاہیے اور وہ سو فی صد درست ہے۔ اجداد سے جو پراپرٹی ملی، اس میں کچھ اضافہ نہ کیا، بلکہ کچھ زیادہ فائدہ بھی نہ اٹھایا، حالانکہ وہ کمرشل ویلیو کی زمین ہے۔ اور وہاں بہت قیمتی دکانیں ہیں۔ اسراف کو کبھی پسند نہ فرماتے، دفتر میں اضافی لائٹ جلنے تک کا نوٹس لے لیتے۔ اللہ نے جرات ایسی دے رکھی تھی کہ بڑے سے بڑے لوگ بھی آپ کی ہیبت سے مؤدب رہنے پر مجبور ہو جاتے۔ مشرف کے خلاف پاکستان کی تاریخ کا اکلوتا ووٹ آپ ہی کا تھا، بی بی سی نے اس پر سٹوری کر رکھی ہے۔ مشرف نے پھر ایجنسیز کو پیچھے لگایا مگر وہ کوئی ایسی چیز نہ ڈھونڈ سکے، جس پر گرفت کی جا سکتی۔ کم گو تھے مگر لفظ برتنے کا سلیقہ رکھتے تھے، بڑے سے بڑے معاملے کو چند لفظوں میں نمٹا دیتے۔ میرا آپ سے تعلق ادبی نوعیت کا تھا، ہمیشہ محبت سے اور مسکراتے ہوئے پیش آتے، میں بے تکلف آپ کے دفتر میں چلا جاتا، آپ میں تواضع کا عجب مادہ تھا، پیغام ٹی وی کے پیٹرن انچیف تھے، سینٹر تھے، ائمہ حرم آپ کو اپنے عربی کلچر کے مطابق والد بزرگوار کہہ کے پکارتے، مشرف کو للکار چکے تھے، مگر جب کام ہوتا تو دفتر میں طلب کرنے کے بجائے ریسرچ ڈیپارٹمنٹ میں خود تشریف لے آتے، لکھنے پڑھنے کی کوئی بات ذمے لگا دیتے، دور ہوتے تو خود فون کرتے، کام کہنے کا اپنا ہی

انداز تھا، تسیں پہلے وی ہمیشہ شفقت فرماندے او۔۔ تے اج اک ہور شفقت تسیں کرنی اے۔۔ آدمی کو سمجھ میں نہ آتا کہ ایسی عزت افزائی پر دو فٹ اوپر اچھلے یا شرم سے چند قدم زمین میں گڑھ جائے۔ ہمیشہ لطیف اور پر سکون رہتے، ایک ایسے سمندر کے مانند جسے اپنے تلاطم سنبھال لینے کا ملکہ حاصل ہو گیا ہو۔ اچھے شعر پر داد دیتے، ایک پروگرام کی کمپیرنگ کے بعد فرمانے لگے، شعر اچھے پڑھے، مجھے بھی لکھ کے دینا۔ یہ جدید شعرا میں سے میں نے چنے تھے، قدیم شعرا تو ویسے ہی ان کی نگاہ میں بھی تھے اور حافظے میں بھی تھے۔ طبیعت میں عجب طرح کا توازن تھا، مزاح، شائستگی، روحانیت، علمیت سیاست، تواضع اور اپنا ہی ایک وقار اور خود داری۔۔ اہل حدیث جماعت کے امیر تھے مگر شدت بالکل نہ تھی۔ میں نے انھیں کبھی گھبرائے ہوئے نہیں دیکھا، جن دنوں ایجنسیز ان سے ملنا چاہتی تھیں، اور جب ایک کروفر والا خاکی یوں آیا کہ پارلیمنٹ کے لاجز خالی ہو چکے تھے، اندر میر صاحب تھے، یا ان کے ڈرائیور۔۔ وہ آئے تو نہ اٹھے اور نہ جھکے، چشم دید شخص بتاتے ہیں کہ مصافحے میں بمشکل چند انگلیوں سے آنے والے کا ہاتھ چھوا۔ ان کی اس معاملے میں بے نیازی دیکھنی ہو تو اعزاز سید کے ساتھ انٹرویو دیکھنا چاہیے۔ ذہین بچپن سے ہی بہت تھے، ان کی سی وی دیکھ کر آدمی دنگ رہ جاتا ہے کہ یہ ایک ہی شخص کے اعزازات ہیں۔ کتابیں لکھیں، پچھلے دنوں عیسائی سے مسلمان ہونے والے عبدالوارث صاحب، جو اب خود ایک ادارہ بنا چکے ہیں، بتا رہے تھے کہ مجھے جس کتاب نے عیسائی سے مسلمان کیا، وہ پروفیسر صاحب کی کتاب ہے۔ پیغام ٹی وی کو اپنی آزاد پالیسی پر چلنے دیا، کبھی یہ نہ کہا کہ اس میں مسلک کا نام، مسلک کی چھاپ یا مسلک کی بات ہونی چاہیے۔ ان کی اپنی گفتگو بھی پالیسی کے تحت کٹ جاتی تو کبھی پلٹ کے نہ پوچھتے۔ پیغام ٹی وی اور اس کے ورکرز سے دلی محبت کرتے۔ پیغام ٹی وی کو کبھی کسی وقت یا ضرورت سے انکار نہ کرتے۔ ایسی تحسین فرماتے کہ ورکرز کا دل شاد ہو اٹھتا۔ ٹیم پر بے انتہا اعتماد فرماتے۔ سچ کہتا ہوں، وہ اس عہد کے آدمی نہ تھے۔ ایک بار فرمایا، جنت میں جانا تو سبھی چاہتے ہیں، میں اس لیے بھی جانا چاہتا ہوں کہ اپنی والدہ کا چہرہ دیکھ سکوں، وہ گود جو اس تپتی عمر میں میسر نہ آ سکی، اس کا لطف اور راحت پا سکوں۔ لیجیے، وہ اپنی والدہ کی طرف اور لاکھوں ماؤں سے زیادہ محبت کرنے والے مالک کی طرف چل دیئے۔ اللہ ان سے رحم کا معاملہ فرمائے۔ ان کے ساتھ ہوئی ملاقاتوں کی ذہن میں کہکشاں آباد ہے، ہو سکتا ہے کبھی لکھ ڈالوں۔ دفتری کام سے جب کبھی سیالکوٹ جانا ہوتا تو اک راحت و لطف سے سفر کٹتا، لیجیے اب کے سیالکوٹ بھی خالی خالی سا ہو گیا، آج بھی نکلنا ہے، لیکن یہ پہلی دفعہ ہو گا کہ ان کیلئے جائیں گے اور وہ نہ ہوں گے، نہ وہ مسکراہٹ، نہ وہ تراشیدہ جملے نہ وہ پر مغز گفتگو، نہ میرے شرارتی جملے اور نہ ان کی مشفقانہ اور ماہرانہ داد۔ کیا حیرت نہیں کہ جس شخص سے آپ کا نہ جماعتی تعلق ہے اور نہ خون کا کوئی رشتہ، اس کے جانے سے آپ کو یوں لگتا ہے، جیسے جسم کا کچھ حصہ چلا گیا، جیسے دل کا اک ٹکڑا نہ رہا، جیسے کچھ زندگی کہیں گم ہو گئی۔

☆☆☆

مولانا عبدالہادی العمری کے چچا کی وفات

مولانا محمد عبدالہادی العمری اور ڈاکٹر ثاقب کے چچا جناب محمد جان محمدی 96 سال کی عمر میں حیدر آباد، دکن میں وفات پا گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

پسماندگان سے 3 بیٹے اور 4 بیٹیاں شامل ہیں، ان کے خاندان میں کثیر تعداد توحید و سنت سے وابستہ اور تعلیم یافتہ ہیں۔ گزشتہ 8 ماہ قبل ان کی اہلیہ چاچی داغ مفارقت دے چکی ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ دونوں کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین

دونوں ہی نیک اور مسلک کتاب و سنت سے وابستہ تھے۔ مولانا خرم جامعی عمری نے نماز جنازہ پڑھائی، جس میں کثیر تعداد نے شرکت کی۔

جناب محمد عبدالباری ان کے خلف اکبر ہیں۔

خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں چاچا چاچی میں

☆☆☆

قاری عبدالودود عابد وفات پا گئے

جمعیۃ اہل حدیث ڈیوزبری کے امام و خطیب قاری عبد الودود عابد 80 سال کی عمر میں وفات پا گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

پسماندگان میں 6 لڑکیاں اور 2 لڑکے اور بیوہ سوگوار ہیں۔ قاری صاحب ساری زندگی مسجد و مدرسہ کی خدمت گزار دی۔ اللہ کریم ان کی نیکیوں کو قبول فرمائے اور لغزشوں سے درگزر فرمائے۔ آمین

ڈاکٹر عبدالرب ثاقب نے ڈڈلی میں پروفیسر ساجد، قاری عبدالودود اور چاچا محمد جان محمدی کی نماز جنازہ غائبانہ پڑھائی۔ اللہ پاک تمام کی مغفرت فرمائے۔ آمین یارب العالمین

بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والوں میں

☆☆☆

سیدنا ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَن كان له سَعَةٌ ولم يُضَحّ ، فلا يَقْرَبَنّ مُصَلّانا (صحیح الجامع: 6490)

"جو شخص استطاعت رکھنے کے باوجود قربانی نہیں کرتا وہ ہماری عید گاہ کے قریب بھی نہ آئے۔"

☆☆☆



تعزیتی مراسلہ

بروفات حسرت آیات پروفیسر سینیٹر ساجد میر رحمہ اللہ

از طرف مرکزی جمعیت اہل حدیث برطانیہ

بنام محترم جناب ڈاکٹر حافظ عبد الکریم ﷾ ناظم اعلیٰ مرکزی جمعیت اہل حدیث پاکستان

عزت مآب ڈاکٹر علی محمد ابو تراب ﷾ قائم مقام مرکزی جمعیت اہل حدیث پاکستان، ملکی وصوبائی ذمہ داران مرکزیہ

السلام عليكم ورحمة الله وبركاته

حضرت علامہ پروفیسر سینیٹر ساجد میر رحمہ اللہ کی وفات حسرت آیات جملہ اہل حدیث کے لیے بالعموم اور مرکزی جمعیت اہل حدیث پاکستان کے لیے بالخصوص ایک ناقابل فراموش صدمہ ہے۔

إنا لله وإنا إليه راجعون، اللّٰهُمَّ اغفرله وارحمه وأدخله الجنة الفردوس.

یقیناً آپ جیسے اعلامِ امت اور عہد ساز شخصیات کا دنیا سے رخصت ہو جانا جہاں دنیا کی بے ثباتی کی واضح علامت ہے، وہیں قربِ قیامت کی نشانی بھی ہے۔

حضرت پروفیسر صاحب رحمہ اللہ کی زندگی دعوت قرآن وسنت کی آبیاری، مسلک اہل حدیث کی بے لوث خدمت اور ہر سٹیج پہ بے باکی کے ساتھ حق گوئی کا استعارہ تھی۔ آپ عالم اسلام ہی میں نہیں بلکہ دنیا بھر میں بسنے والے حاملین کتاب وسنت میں مسلک اہل حدیث کی پہچان تھے۔ آپ اہل حدیث کا وقار اور فخر تھے۔

مسلک وجماعت کے لیے آپ کی خدمات جلیلہ اور کارنامہ ہائے رفیعہ تاریخ کا ایک سنہری باب ہیں۔ اتحاد امت سے لے کر وحدت جمعیت تک آپ کی مخلصانہ کاوشیں اور ان تھک محنتیں اپنی مثال آپ ہیں۔

علامہ احسان الٰہی ظہیر رحمہ اللہ کی شہادت کے بعد آپ نے جہد مسلسل، حکمت، دانش مندی اور اخلاص کے ساتھ بکھری ہوئی جماعت کو ایک لڑی میں پرو دیا، جماعتی ساتھیوں کے شکستہ دلوں کو نئی اُمنگ اور حوصلہ دیا اور جماعت کے مرجھائے ہوئے چمن کو آشنائے بہار کیا۔ امیر جماعت کی حیثیت سے جہاں آپ نے جمعیت کو مضبوط و مستحکم بنایا وہیں دیگر جماعتوں کے ساتھ کسی مداہنت کے بغیر اعتدال وتوازن کو قائم رکھتے ہوئے اور جماعت ومسلک کے وقار کو مقدم رکھتے ہوئے پوری وسعت نظری سے ہمیشہ اتحاد کا پرچار کیا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی جانب سے آپ کو اس پُر فتن دور میں بھی حق بات کہنے، قبول کرنے اور اس کی تائید کرنے کا ایسا عظیم حوصلہ ودیعت کیا گیا تھا کہ اس حوالے سے سبھی نے آپ کو بے باک اور بے لوث پایا۔

بلا شبہ گوناگوں خصوصیات سے متصف آپ کی شخصیت میر کارواں کی حیثیت سے نگہ بلند سخن دل نواز جاں پرسوز کی عملی تعبیر بنی رہی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حقیقی معنوں میں مفتاح الخیر (خیر کی کنجی) اور مغلاق الشر (شر کا تالا) بنایا تھا۔

آپ کی للّٰہیت سے معمور نجی زندگی، درد دل سے بھری جماعتی زندگی، بے داغ سیاسی زندگی اور با اصول سماجی زندگی نہایت قابل رشک ہے۔

عجز وانکسار، تواضع، اپنائیت، تحمل مزاجی اور حسن اخلاق کوئی آپ سے سیکھے۔ سادگی اس قدر رشک آمیز کہ سلف صالحین کی یاد تازہ کر دے۔ جماعتی اور حکومتی اعلیٰ عہدوں، ملک وبیرون ملک عظیم مقبولیت اور علم وبصیرت کے باوجود اپنی گفتگو، کردار اور رویہ سے کبھی بھی تعلی وتفاخر کا مظاہرہ نہیں کیا بلکہ ہمیشہ بڑوں کے ساتھ احترام واکرام اور چھوٹوں کے ساتھ محبت وشفقت آپ کا شیوہ تھی۔

آپ میں جلال بھری کم گوئی اور حکمت بھری حق گوئی دونوں صفات کا توازن پایا جاتا تھا۔ انہی خصال حمیدہ کی بنا پہ آپ کو شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے مسلمانان میں ایک خاص مقبولیت عطا ہوئی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ائمہ حرمین، شیوخ الحدیث، علمائے کرام اور سیاستدانوں سے لے کر عوام تک آپ کی رحلت کی وجہ سے پیدا ہو جانے والے خلا کو محسوس کیا جا رہا ہے۔ إنا لله وإنا إليه راجعون

آپ کی وفات کے صدمے سے ہر اہل حدیث کی آنکھیں نم ہیں اور آپ کے سانحہ ارتحال کے غم میں مرکزی جمعیت اہل حدیث پاکستان کے ساتھ مرکزی جمعیت اہل حدیث برطانیہ برابر کی شریک ہے۔ إن العين لتدمع وإن القلب ليحزن ولا نقول إلا ما يرضي ربنا.

ہم بارگاہ الٰہی میں دست بستہ فریاد کناں ہیں کہ وہ حضرت ساجد میر رحمہ اللہ کی حسنات کو شرف قبولیت عطا فرمائے، آپ کی بشری لغزشوں سے درگزر فرمائے، آپ کی مرقد کو نور سے بھر دے، اسے جنت کا باغیچہ بنا دے اور جماعت کو ان کا نعم البدل عطا فرما دے۔ آمین یارب العالمین۔

مولانا شعیب احمد میرپوری

امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث برطانیہ

قاری ذکاء اللہ سلیم

ناظم اعلیٰ مرکزی جمعیت اہل حدیث برطانیہ



فوت شدہ نمازوں کے متعلق

حدیث نمبر:111

عَنْ أنس بن مالك رضي الله عَنْه قال : قال رسول الله ﷺ : «مَنْ نَسِيَ صَلاةً فَلْيُصَلِّهَا إذَا ذَكَرهَا، لا كَفَّارَةَ لَهَا إلاّ ذَلِكَ، وتَلاَ قوله تعالى : ﴿أَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي﴾». ولمسلمٍ «مَنْ نَسِيَ صَلاةً، أَوْ نَامَ عَنْهَا، فَكَفَّارَتُهَا أَنْ يُصَلِّيَهَا إذَا ذَكَرَهَا».

رواه البخاري، كتاب مواقيت الصلاة، باب من نسي صلاة فليصلها إذا ذكرها، ولا يعيد إلا تلك الصلاة، برقم 597، ومسلم، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب قضاء الصلاة الفائتة، واستحباب تعجيل قضائها، واللفظ له، برقم 684.

حدیث مبارکہ کا سلیس ترجمہ

سیدنا حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو کوئی نماز پڑھنا بھول جائے تو اسے جب یاد آئے پڑھ لے یہی اسکا کفارہ ہے اور یہ آیت تلاوت کی "وَاَقِمِ الصَّلَاۃَ لِذِکْرِیْ" کہ میری یاد کے لیے نماز قائم کر اور مسلم شریف کی روایت ہے جس نے نماز نہیں پڑھی یا وہ اسے پڑھے بغیر سو گیا تو اسکا کفارہ یہ ہے کہ اسے جب یاد آئے پڑھ لے۔

حدیث مبارکہ کے بعض الفاظ کے معانی

1 - مَنْ نَسِيَ: جو بھول گیا۔

2 - فَلْيُصَلِّهَا: تو چاہئے کہ وہ اسے پڑھ لے۔

3 - إِذَا ذَكَرَهَا : جب وہ اسے یاد آجائے۔

4 - نَامَ: وہ سو گیا۔

5 - كَفَّارَتُهَا : اسکا کفارہ۔

حدیث مبارکہ سے حاصل ہونے والے بعض مسائل اور احکام

1۔ بھولنے یا سو جانے کی وجہ سے اگر نماز رہ جائے اور اسکا وقت ختم ہو جائے تو یاد آنے پر اس نماز کی قضاء واجب ہے۔ اور ایسے شخص پر وقت پر نہ پڑھنے کا کوئی گناہ نہیں (بشرطیکہ جان بوجھ کر نہ ہو) کیونکہ سونے والا یا بھولنے والا شرعی احکام کا مکلف نہیں ہے۔

2۔ اس میں نماز کی اہمیت کا علم ہوتا کہ نماز کا فریضہ ہر صورت ادا کرنا ہے بغیر شرعی عذر کے اس کو چھوڑا نہیں جا سکتا ہے۔ اگر رہ جائے اور اس نماز کا وقت ختم ہو جائے تو تب بھی اس کا پڑھنا فرض ہے ایسی صورت میں اس ادائیگی کو قضا کہتے ہیں اور وقت پر پڑھنے کو ادا کہتے ہیں۔ شرعی عذر کی وجہ سے ایک نماز یا ایک دن کی نمازیں قضا پڑھنے کی سنت میں دلیل موجود ہے البتہ قضا عمری بدعات میں سے ہے۔ اگر کئی دنوں یا مہینوں یا سالوں کی نمازیں رہ گئی ہوں تو ان کے لیے صرف توبہ ہے اور آئندہ نماز کا اہتمام کرنا لازم ہے۔ واللہ اعلم۔

3۔ یاد آتے ہی فورا نماز کی ادائیگی ضروری ہے اس میں تاخیر نہیں ہونی چاہیے ایسی نماز ممنوع و مکروہ اوقات میں بھی پڑھی جائے گی۔

4۔ شرعی عذر کی وجہ سے فوت شدہ نماز کا کوئی اور مالی یا بدنی جرمانہ وغیرہ نہیں سوائے اس کہ وہی نماز ادا کرے جو رہ گئی ہے۔

5۔ ہر نماز کا وقت مقررہ ہے اسی میں اس کو پڑھنا ضروری ہے البتہ شرعی عذر کی بنا پر دو نمازوں کو ایک کے وقت میں ادا کرنا جائز ہے جیسے سفر یا بارش وغیرہ میں۔ یا شرعی عذر کی وجہ سے فوت شدہ نماز / نمازوں کی ادائیگی ان کے اوقات مقررہ کے علاوہ بھی جائز ہے۔

6۔ بھول یا سونے کی وجہ سے نماز رہ جانے کی صورت میں صرف وہی نماز پڑھنے کا حکم ہے ایسا نہیں ہے کہ اگلے دن اس نماز کو اس کے اپنے وقت میں دوبارہ پڑھے جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے۔

نفل پڑھنے والے کے پیچھے فرض پڑھنا

حدیث نمبر:112

عَنْ جابر بن عبد الله رضي الله عَنْه : «أَنَّ مُعَاذَ بْنَ جَبَلٍ رضي الله عَنْه كَانَ يُصَلِّي مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ العِشَاءَ الآخِرَةِ، ثُمَّ يَرْجِعُ إلَى قَوْمِهِ، فَيُصَلِّي بِهِمْ تِلْكَ الصَّلاةَ».

رواه البخاري، كتاب الأدب، باب من لم يرَ إكفار من قال ذلك متأولاً أو جاهلاً، برقم 6106، ومختصراً في كتاب الأذان، باب إذا طول الإمام، وكان للرجل حاجة فخرج فصلى، برقم 700، ومسلم، كتاب الصلاة، باب القراءة في العشاء، برقم 80- (465)، واللفظ له.

حدیث مبارکہ کا سلیس ترجمہ

سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ سیدنا

معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھتے پھر اپنی قوم کی طرف لوٹتے پھر انہیں یہ نماز پڑھاتے۔

حدیث مبارکہ کے بعض الفاظ کے معانی

1 - يُصَلِّيْ :وہ نماز پڑھتا ہے یا پڑھے گا۔

2 - العِشَاءُ الْآخِرَةُ:عشاء۔

3 - يَرْجِعُ :وہ واپس لوٹتا ہے یا لوٹے گا۔

4 - تِلْكَ الصَّلَاةَ :وہی نماز۔

حدیث مبارکہ سے حاصل ہونے والے بعض مسائل اور احکام

1۔نوافل ادا کرنے والے کی امامت میں فرض نماز ادا کی جاسکتی ہے۔

2۔فرض ادا کرنے والے کی اقتداء میں نفلی نماز پڑھی جاسکتی ہے۔

3۔فرض نماز کا اعادہ جائز ہے جبکہ مصلحت اس کی متقاضی ہو مثلاً ایک شخص نے اکیلے نماز پڑھی پھر مسجد میں داخل ہوا جماعت ہو رہی ہو تو وہ بھی اس کے ساتھ شامل ہو جائے۔یا جماعت سے پڑھی لیکن دوسری مسجد میں گیا جہاں وہی فرض نماز پڑھ رہے ہیں یہ ان کے ساتھ بھی پڑھ سکتا ہے۔

4۔اسی طرح اگر امام عصر کی نماز پڑھا رہا ہو تو جس نے ابھی تک ظہر کی نماز نہیں پڑھی ہے وہ امام کے پیچھے ظہر کی نماز پڑھ سکتا ہے اور اس کے بعد وہ اپنی عصر پڑھے۔

☆☆☆

زندگی اور موت

زندگانی خدا کی نعمت ہے
اس کے ہر پل کی قدر و قیمت ہے
وہ جو گزری سو ایک حسرت ہے
کوئی دم ہے تو اک غنیمت ہے
اک تماشا ہے دیکھنے میں مگر
اس کو سمجھو تو ایک عبرت ہے
کچھ بھی اپنا نہیں کسی کا یہاں
دینے والے کی اک امانت ہے
حق اسی کا ہے مال ہو جس کا
یہ ازل سے اُصولِ فطرت ہے
جب بھی چاہے وہ دے کے لے لے اسے
دینے والے کی بادشاہت ہے
آنکھ کھلتی ہے موت آنے پر
زندگی ایک خواب غفلت ہے
سب ہی پیتے ہیں ، سب کو پینا ہے
زندگی پیاس ، موت شربت ہے
رب کے منکر کو بھی یقیں اس پر
موت ایسی اٹل حقیقت ہے
کیا ہی چپ چاپ اس کا نقارہ
کتنی خاموش اس کی ضربت ہے
موت ہے اک مہین سا پردہ
ہے ادھر زیست، اُدھر قیامت ہے
گو نہیں ہے یہ اختتام حیات
پھر بھی اس کی دلوں پہ ہیبت ہے
موت رہتی ہے اس کے ساتھ سدا
دل کی دھڑکن سے اس کی قربت ہے
مرنے والے بھی بات کرتے ہیں
یہ فسانہ نہیں حقیقت ہے
جینے والے اگر نہیں سنتے
ان کی کوتاہی سماعت ہے
مرنے والوں کی خامشی پہ نہ جا
خامشی میں عجب بلاغت ہے
اہلِ مرقد کا سُن پیام ذرا!
رشکِ لقمان اس میں حکمت ہے
کہہ رہے ہیں زبانِ حال سے وہ
موت منزل نہیں ، مسافت ہے
کوئی سمجھا نہ جیتے جی اس کو
اک معما ہے ، اک بجھارت ہے
موت عقدہ نہیں ہے اے غافل
یہ تو عقدہ کشائے فطرت ہے
خاک میں خاک ہو گئے مُردے
زندہ واعظ ہر ایک تربت ہے
موت سب سے بڑا ہے درس حیات
موت سب سے بڑی نصیحت ہے

خواجہ محمد عارف برمنگھم

☆☆☆

عشرہ ذی الحجہ میں مستحب اعمال

کثرت سے تسبیحات، تحمیدات اور تکبیرات کہنا

اس عشرہ میں اللہ تعالیٰ کی پاکی، بڑائی اور حمد و ثناء بکثرت کرنی چاہیے۔اس بارے میں فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللهِ فِي أَيَّامٍ مَعْلُومَاتٍ﴾ (سورۃ الحج: 28)

اور مقررہ دنوں میں اللہ کے نام کا ذکر کریں۔ یہاں ایامِ معلومات سے مراد ماہِ ذو الحجہ کے پہلے دس دن ہیں۔

سیّدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: «مَا مِنْ أَيَّامٍ أَعْظَمُ عِنْدَ اللهِ وَلَا أَحَبُّ اِلَيْهِ مِنَ الْعَمَلِ فِيْهِنَّ مِنْ هَذِهِ الْأَيَّامِ الْعَشْرِ، فَأَكْثِرُوْا فِيْهِنَّ مِنَ التَّهْلِيْلِ وَالتَّكْبِيْرِ وَالتَّحْمِيْدِ» (صححہ أحمد شاکر في المسند،5446،وشعیب أرناؤوط:6154)

ذوالحجہ کے دس دنوں سے بڑھ کر کوئی دن ایسے نہیں جو اللہ تعالیٰ کے ہاں ان دنوں کی بہ نسبت زیادہ عظمت والے ہوں اور ان میں کیے گئے نیک عمل اللہ کو سب سے زیادہ پسند ہو۔ پس ان ایام میں بہت زیادہ لا الہ الا اللہ، اللہ اکبر اور الحمد للہ پڑھا کرو۔



مصنوعی تخلیق زر کے چند غیر پسندیدہ نتائج

پچھلی سطور میں ہم جناب شہر الدین کے مقالے کی تلخیص پیش کر چکے ہیں، اب چند میری گزارشات اہل علم کی توجہ کی طالب ہیں :

1۔ بنک جس طرح مصنوعی تخلیق زر پیدا کر رہے ہیں اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے ایک شخص نے کسی نئی بستی کا ایک مخصوص قطعہ زمین خریدا اور اسٹیٹ ایجنٹ کی طرف سے اسے ملکیت زمین کا ایک وثیقہ (TITLE DEED) بھی دیدیا گیا، زمین ابھی چونکہ رہنے کے قابل نہیں ہے تو اس شخص نے عملاً اس پر قبضہ نہیں کیا۔ یہی اسٹیٹ ایجنٹ آٹھ، دس افراد کو بھی اسی قطعہ زمین کے جعلی وثیقہ جات جاری کر چکا ہے۔ ظاہر ہے کہ جب بھی قبضے کا وقت آئے گا تو صرف ایک ہی شخص کو وہ قطعہ زمین مل سکے گا۔ باقی سب دھوکہ کھا کر عدالتوں کے چکر لگا رہے ہوں گے، کئی عالمی بنک اسی سبب کی بنا پر افلاس کا شکار ہو چکے ہیں۔ بنک جزوی طور پر محفوظ بچت کے مذکورہ بالا سسٹم کی بدولت اپنے گاہکوں کی رکھی ہوئی رقوم کو جس طرح کئی دوسرے افراد کو قرض دے کر دس گنا مزید رقم پیدا کر رہے ہیں، ان پر مندرجہ بالا مثال صادق آتی ہے ، اور مصنوعی طریقے سے حاصل کر وہ یہ زر اس وقت لوگوں کے ہاتھوں میں متداول رقوم کا 97فیصد تک جا پہنچا ہے یعنی جس پیسے سے وہ لین دین کر رہے ہیں وہ خود ناجائز مال ہے اور پھر اسی ناجائز مال کو سود کے ذریعے مزید بڑھایا جاتا ہے۔

دس گنا تو اس صورت میں جب کہ بنک نے لوگوں کے ڈپازٹ کا صرف دس فیصد اپنے پاس رکھا ہو۔ اب تو صورتحال یہ ہو چکی ہے کہ صرف 5 فیصد بطور ڈپازٹ رکھا جاتا ہے اور باقی 95 فیصد سے بیس فیصد زیادہ کمایا جاتا ہے۔

2۔ گو مہنگائی (INFLATION) کے متعدد اسباب ہیں لیکن اس کا ایک بڑا سبب سُودی لین دین ہے اور وہ اس طرح کہ اگر ایک تاجر یا صنعت کار اپنے کاروبار کے لئے بنک سے سود پر قرض لیتا ہے جس کی شرح 3 فیصد یا 4 فیصد یا اس سے بھی زیادہ ہو سکتی ہے وہ ہر صورت اپنی مصنوعات یا دکان میں قابل فروخت اشیاء کی قیمتوں میں اپنے منافع کے ساتھ ساتھ اتنی قیمت کا اضافہ ضرور کرے گا کہ جس سے وہ سود کی رقم ادا کر سکے ۔ سودی قرض پر خریدے گئے مکانات کی قیمتیں جس طرح ہر سال بڑھتی ہیں، وہ اس کی واضح مثال ہے ۔ اگر ایک تجارت کا سرمایہ ہی سود پر لیا گیا ہے تو اس کا اثر تمام اشیاء صرف پر لازمی طور پر پڑے گا۔

یہ بھی ملاحظہ ہو کہ عصر حاضر میں سود کتنی وسعت حاصل کر چکا ہے۔ زمانہ جاہلیت میں موجود نقد (سونا اور چاندی) ہی ادھار دیا جاتا تھا اور پھر اس پر سود لیا جاتا تھا کہ جو حرام قرار دیا گیا لیکن موجودہ دور میں پہلے تو بنکوں نے دوسرے لوگوں کی رقوم پر قرض دے کر سود کمایا اور پھر تیسرے مرحلے میں اسی رقم کو بار بار قرض دے کر مزید زر کی تخلیق کی۔ یہ تو پھر (اضعافاً مضاعفہ یعنی سود در سود) کی شکل ہو گئی جسے بھی صراحت کے ساتھ حرام قرار دیا گیا، یہ وہ شکل ہے کہ جسے کہا گیا کہ کچھ نہ تھا پھر بھی اس سے مصنوعی زر پیدا کر لیا گیا اور جوں جوں یہ مصنوعی زر مارکیٹ میں پھیلتا چلا جاتا ہے تو طلب اور رسد کے قانون کے مطابق قیمتیں بڑھتی چلی جاتی ہیں۔ مثال کے طور پر مکانات (یعنی طلب) کم ہیں لیکن خریدار پیسے ہاتھ میں لئے (یعنی رسد) زیادہ ہیں تو ظاہر ہے مکانات کی قیمتیں آسمان سے باتیں کریں گی۔

کہا جاتا ہے کہ مہنگائی کا سبب صرف تخلیق زر نہیں ہے بلکہ اس کے دوسرے اسباب بھی ہیں، وہ اس طرح کے ملک کا مرکزی بنک (جیسے پاکستان میں اسٹیٹ بنک) جب یہ دیکھتا ہے کہ ہوش ربا گرانی ہوتی جا رہی ہے تو وہ کمرشل بنکوں کو دیے جانے والے قرضوں پر سود کی شرح بڑھا دیتا ہے، ظاہر ہے جب سود کی شرح بڑھے گی تو قرض لینے والوں کی تعداد کم ہو جائے گی اور زر کے پھیلاؤ میں بھی کمی آجائے گی جس کی بنا پر مہنگائی پر کنٹرول کیا جا سکے گا۔ بعض ماہرین اقتصاد نے پاکستان کی مثال دی ہے کہ اسٹیٹ بنک کی شرح سود 7 فیصد کے لگ بھگ تھی لیکن انہوں نے اسے یکدم 22 فیصد تک بڑھا دیا، جس کے نتیجے میں معیشت بحران کا شکار ہو گئی۔ جن لوگوں نے 7 فیصد سودی قرضے پر اپنے کاروبار کھڑے کیے تھے وہ 22 فیصد شرح سود عائد ہونے کی بنا پر کساد بازاری کا شکار ہو گئے لیکن دیکھا گیا کہ مہنگائی پر پھر بھی کوئی اثر نہ پڑا اور وہ اس لیے کہ اصل قرضہ تو حکومت نے لے رکھا ہے۔ یعنی تمام قرضوں کا 70 فیصد تو صرف حکومت کا ہے اور حکومت سود کی ادائیگی کے لئے مزید قرض لیتی ہے کہ جس سے پچھلا سود ادا کیا جا سکے اور یوں زر کے پھیلاؤ میں قطعاً کوئی کمی نہیں آتی۔

3۔ کئی ممالک کی کرنسی روز بروز گرتی چلی جا رہی ہے ؟ آخر اس کا کیا سبب ہے؟

یہی نہ کہ بجائے وہ اپنے ذرائع پیداوار پر انحصار کریں۔ وہ ورلڈ بنک اور IMF سے اربوں کھربوں کا قرضہ لے کر اپنے جائز اور ناجائز اخراجات پورا کر رہے ہیں ، اور پھر ان قرضوں کے لامتناہی سود کی

ادائیگی کے لئے اپنے ہی عوام پر زندگی کے ہر گوشے میں بھاری ٹیکس لگانے پر مجبور ہیں کہ جس کی وجہ سے ان کی کرنسی زوال پذیر رہتی ہے۔ پاکستان کی مثال لے لیجئے، پاکستان بنتے وقت ایک امریکن ڈالر ایک روپے کے برابر تھا اور

اب 78 سال بعد اس کی قیمت 280 روپے ہو چکی ہے، عالمی قرض دینے والے اداروں کو مصنوعی تخلیق زر کے نتیجے میں پیسہ دینا آسان اور بیچارے قرض داروں کو خون پسینہ سے حاصل کمائی کو قرض بمع سود ادا کرنا پڑ رہا ہے۔

یہ کہنا کہ روپے کی قدر بمقابلہ ڈالر گر چکی ہے، ایک لحاظ سے درست نہ ہوگا اسے اس طرح سمجھیں کہ پچاس سال پہلے ایک مرغی ایک ڈالر کی قیمت رکھتی تھی لیکن قرض کی بنیاد پر زر کے پھیلاؤ سے ڈالر کی قیمت میں کمی آنا شروع ہوگئی اور اب پچاس سال بعد آپ ایک ڈالر میں مرغی نہیں خرید سکتے، ہو سکتا ہے کہ اسی وزن کی مرغی اب کوئی 5 ڈالر میں ملے، گویا خود ڈالر کی قیمت میں کمی واقع ہوئی ہے اور ایسے ہی لوکل کرنسیوں کو بھی اس پر قیاس کر لیا جائے۔

اور اس تفصیل سے ظاہر ہوا کہ عصر حاضر کے سرمایہ دارانہ نظام کہ جس کی آساس ہی سود ہے، اس کا متبادل نظام ابھی تک قائم نہیں ہو سکا ہے۔

اسلامی بنکوں کے پرچارکروں کا یہ کہنا کہ انہوں نے اجارہ، مرابحہ، مشارکہ، مضاربہ اور تورق کی شکل میں اسلامی متبادل عقود مہیا کئے ہیں، درست نہیں ہے اور وہ اس لیے کہ وہ تمام کمرشل بنکوں کی طرح مرکزی بنک سے قرض لے کر وہ بھی مصنوعی زر کی تخلیق میں باقی بنکوں سے مختلف نہیں ہیں اور اسی لیے جب بھی کسی مالیاتی عقد کے منافع کی تقسیم کا مسئلہ آتا ہے (یا فروخت کردہ مکان کو عقد اجارہ کے بموجب کرائے کے تعین کا مسئلہ آتا ہے) تو وہ اسے مرکزی بنک کی شرح سود (انگلینڈ میں LIBOR اور پاکستان میں KIBORہی کے تابع رکھا جاتا ہے۔

بعض ماہرین اقتصادیات اسلام کے مطابق اس کا حل صرف ایک ہے کہ اول تو بنکوں کا جزوی ریزرو سسٹم کو ختم کیا جائے اور انہیں فل ریزرو سسٹم میں تبدیل کیا جائے اور دوسرے یہ کہ کمرشل بنکوں میں ڈپازٹ اکاؤنٹ اور کریڈٹ اکاؤنٹ کو بالکل علیحدہ کر دیا جائے۔

ایک صرف روزمرہ کے معاملات جیسے پیسے رکھوانے یا رقوم نکلوانے یا انہیں کسی دوسرے اکاؤنٹ میں ٹرانسفر کروانے سے متعلق ہو اور دوسرا صرف تجارت (INVESTMENT) کی غرض سے ہو جس میں مذکورہ اسلامی عقود کی بنیاد پر کھاتہ داروں کو نفع دیا جا سکے۔

تیسری بات یہ کہ مرکزی بنک کو اس بات کا پابند کیا جائے کہ وہ ملک کی GDP کے تناسب ہی سے نئے نوٹ چھاپنے کے پابند ہوں گے۔ گویا جتنے نئے نوٹ چھاپیں گے ان کی پشت پر ملک کے ذرائع پیداوار کا وزن ہو گا۔

4۔ موجوہ بینکنگ نظام سے قبل جو آب زُلال تھا وہ اب گدلے پانی میں تبدیل ہو چکا ہے، یعنی پچھلے زمانہ میں طلائی دینار اور چاندی کے درھم تجارتی سودوں کے لئے استعمال ہوتے تھے اور اس پر اگر قرضہ لیا جاتا تو ایک دینار کو دس گنا نہیں کیا جا سکتا تھا۔ صرف سود کے اضافے کے ساتھ اُسے قابل آمدن بنایا جا سکتا تھا، لیکن موجودہ بینکنگ کے ذریعے مال کا اکثر حصہ (97 فیصد جیسے پہلے ذکر کیا جا چکا ہے) خود ناجائز پیداوار کی حیثیت رکھتا ہے اور پھر اس کے اوپر سود کا اضافہ نہلے پر دھلہ کا مترادف ہے۔ اب یہ کیا عجب نہیں کہ انسان کے ہاتھ جو پیسہ ہو وہ خود بھی مشکوک ہو، لیکن اس کے بارے میں قطعا کوئی فکر نہ کی جائے، البتہ اگر اسے بطور قرض دے کر سود لیا یا دیا جائے تو وہ صرف محل نظر ہو۔

اسلامی بینکنگ کی کیا یہ صورتحال نہیں کہ وہ تمام کا تمام گدلا پانی برائے فروخت رکھتے ہیں لیکن لوگوں کو یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ ہم اپنی مصنوعات کے ذریعے اسے مزید گدلا ہونے سے بچا رہے ہیں۔ بلکہ وہ تو یہ ماننے کے لئے تیار ہی نہیں کہ پانی گدلا ہو چکا ہے!!

اس کی مثال تو ایسے ہی ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے تو ہمیں آب زمزم عطا کیا تھا اور یہ بھی بتایا تھا کہ اس سے شفاء حاصل ہوتی ہے لیکن کچھ لوگوں نے پانی کی عام بوتل میں زمزم کے چند قطرے ڈال کر اُسے آب زمزم کا لیبل لگا کر مارکیٹ سجالی ہے۔

ہماری صرف یہ استدعا ہے کہ اگر پینے کے لئے صرف گدلا پانی ہی دستیاب ہو تو پھر منفعت عام کی تین صورتیں ہی ہو سکتی ہیں :

1۔ صاف پانی فراہم کرنے کی کوشش کی جائے۔

2۔ جب تک صاف پانی حاصل نہیں ہوتا، اسی گدلے پانی کو بقدر استطاعت صاف کرنے کے بعد استعمال کیا جائے۔

3۔ بدرجہ مجبوری اُسی گدلے پانی کو استعمال کیا جائے۔

اگر پانی گدلا آرہا ہے تو اُسے صاف کرنا ایک خوش آئند عمل ہے (جو کہ اسلامی بنکوں کا اصل مقصد تھا یعنی سود کی آمیزش سے مال کو صاف کرنا) لیکن اسے مزید گدلا کر کے (یعنی تخلیق زر کے ذریعے) لوگوں کو یہ باور کرانا کہ اب یہ ماء زلال بن چکا ہے۔ ایک فریب ہے اور کچھ نہیں اور جب تک یہ نہیں ہوتا تو جو تیسری تجویز ہم نے دی ہے، یعنی مجبوراً بقدر ضرورت اس گدلے پانی کو استعمال کیا جائے، وہی قابل عمل ٹھہرتی ہے۔

☆☆☆



کرپٹو کرنسی کی شرعی حیثیت

چوں کہ زیر بحث مسئلہ قابل اجتہاد جدید فقہی مسائل میں سے ہے اسی لیے اہل علم کے مابین اس کی فقہی تاصیل اصولی تکییف اور تکنیکی تنظیر میں چار طرح سے اختلاف پایا جاتا ہے:

پہلا موقف: مجمع الفقه الإسلامي الدولي اسلامی فقہ کی الاقوامی اکیڈمی نے مورخہ 20/ نومبر 2019ء میں اس مسئلے کو مزید تحقیق طلب جانا اور بعض علما جیسے ڈاکٹر شیخ عبد العزیز الفوزان اور شیخ عبد الرحمن بن ناصر البراک حفظہ اللہ وغیرہ نے کرپٹو کرنسی کے ذریعے معاملہ داری کے سلسلے میں توقف اختیار کیا، کیوں کہ اس کرنسی کا اصل ماخذ صحیح طور پر انھیں معلوم نہیں ہو سکا اور اس کے تئیں بہت سارے سوالات خطرات خدشات اور پیچیدگیاں تادم تحریر ان کے یہاں قابل تصفیہ ہیں لیکن اس کے ذریعے معاملہ داری پر سال گزرنے کے بعد اس میں زکاۃ کی فرضیت بتائی، کیوں کہ وہ مال کے دائرے میں شمار کی جانے لگی ہے۔

دوسرا موقف کرپٹو کرنسی کے ذریعے معاملہ داری درست ہے، کیوں :

1۔ عموم آیت أَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا سے استدلال کیا گیا کہ اللہ معاملات میں اصل صحت واباحت ہے۔

2۔ مال کے اعتبار سے کرپٹو کرنسی ایک قیمتی مال ہے۔

3۔ کرپٹو کرنسی کی پروگرامنگ کوئی خام خیال نہیں بلکہ باقاعدہ ایک حقیقت اور حقیقی مال یا اثاثہ ہے جس کا استعمال اور تبادلہ لوگوں نے شروع کیا اور جس کے ذریعے فی الحال آسٹریلیا کی سب سے بڑی Stock Exchange میں اور امریکا میں کرپٹو کرنسی کی شکل میں سرمایہ کاری ممکن ہے۔

4۔ امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا:

لَوْ أَنَّ النَّاسَ أَجَازُوا بَيْنَهُمُ الْجُلُودَ حَتَّى تَكُونَ لَهَا سِكَّةٌ وَعَيْنٌ لَكَرِهْتَهَا أَنْ تُبَاعَ بِالذَّهَبِ وَالْوَرِقِ نَظِرَةً–

(المدونة للإمام مالک کتاب الصرف التأخير في صرف الفلوس:5/)

"لوگ اگر چمڑوں کو بطور سکہ اور متعین نقد وکرنسی کے طور پر استعمال کرنے لگیں تو میں اُن قوت خرید وفروخت کے حامل چمڑوں کو سونے اور چاندی کے ساتھ تاخیر سے بیچنے کو مکروہ سمجھوں گا (تاکہ تاخیر کے سبب سودی معاملہ ربا النسیہ نہ ہو جائے)۔ لیکن واضح رہے کہ امام مالک در ایمانیہ نے فرضی اور وہمی کرنسی کی نہیں بلکہ محسوس اور ٹھوس نقد کی مثال دی۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا:

أَمَّا الدِّرْهُمْ وَالدِّينَارُ فَمَا يُعْرَفُ لَهُ حَدٌّ طَبْعِي وَلَا شَرْعِيّ بَلْ مَرْجِعُهُ إِلَى الْعَادَةِ وَالِاصْطِلاحِ، وَذَلِكَ لِأَنَّهُ فِي الْأَصل لَا يَتَعَلَّقُ الْمَقْصُودُ بِهِ، بَلْ الْغَرَضُ أَن يَكُونَ مِعْيَارًا لِمَا يَتَعَامَلُونَ بِهِ وَالدَّرَاهِمُ وَالدَّنَانِيرُ لَا تَقْصَدُ لِنَفْسِهَا بَلْ هِيَ وَسِيلَةَ إِلَى التَعَامُل بِهَا وَلِهَذَا كَانَتْ أَثْمَانًا ، بِخِلَافِ سَائِرِ الْأَمْوَالِ فَإِنّ الْمَقْصُودَ الِانْتِفَاعُ بِهَا نَفْسِهَا فَلِهَذَا كَانَتْ مُقَدّرَةً بِالْأُمُورِ الطّبْعِيّةِ أَوَ الشّرْعِيّةِ وَالْوَسِيلَةُ الْمَحْضَةُ الّتِي لَا يَتَعَلّقُ بِهَا غَرَضْ لَا بِمَادّتِهَا وَلَا بِصُورَتِهَا يَحْصُلُ بِهَا الْمَقْصُودُ كَيْفَمَا كَانَتْ. (مجموع الفتاوی : 252-251/19)

"درہم ودینار کی کوئی فطری یا شرعی تعریف وضابطہ نہیں بلکہ اس ضمن میں رائج عادات و اصطلاحات کی طرف رجوع کیا جائے گا اس کی بنیادی وجہ دراصل یہ ہے کہ معاملہ داری سے مقصود نقد کے ساتھ وابستہ نہیں بلکہ مقصد یہ ہے کہ نقد لوگوں کے معاملات کا معیار وپیمانہ بن جائے جب کہ دینار ودرہم بنفس نفیس اور بذات خود مقصود نہیں بلکہ وہ محض ان کے ذریعے معاملہ داری کا وسیلہ ہیں اسی لیے وہ دینار ودرہم ثمن (قیمت) قرار پائے اس کے برعکس دینار ودرہم کے علاوہ بقیہ سارے مال سے بنفس نفیس اور بذات خود استفادہ مقصود رہتا ہے اسی لیے فطری وشرعی امور کے ذریعے ان کا اندازہ لگایا جاتا ہے اور جو محض معاملہ داری کا ایسا وسیلہ ہو کہ جس سے مضمون یا ظاہر سے کوئی مقصد وابستہ نہ ہو تو وہ جس شکل میں بھی رہے اس وسیلے کہ ذریعے معاملہ داری کا مقصود پورا ہو گا۔"

امام ابن عابدین رحمہ اللہ نے بھی بڑی وسعت پیدا کی اور کہا:

اَلثَمَنُ غَيْرُ مَقْصُودِ بَلْ وَسِيلَةَ إِلَى الْمَقْصُودِ إِذْ الانْتِفَاعُ بِالْأَعْيَانِ لَا بِالْأَثْمَانِ

(حاشية ابن عابدين على الدر المختار کتاب البيوع:501/4)

"معاملہ داری میں قیمت کرنسی حقیقی طور پر مقصود

نہیں رہتی بلکہ وہ وسیلہ مقصود رہتی ہے کیوں کہ فائدہ اٹھانا سامان سے ہوتا ہے نہ کہ قیمتوں سے۔ اور اس سے ملتی جلتی بات امام سرخسی یا شیمیہ نے بھی المبسوط فی المبسوط: 3/ 20 میں فرمائی۔

امام زرکشی رحمہ اللہ نے فرمایا:

اَلمَالُ مَا كَانَ مُنْتَفَعّابِهِ (المنثور في القواعد الفقهية للزركشي المال حقيقته: 3/ 222)

”جو بھی نفع بخش ہو وہ مال ہے۔“

اور اس عموم کے لحاظ سے کرپٹو کرنسی کی معاملہ داری درست ہے۔

5۔ جرمنی جاپان اور ہالینڈ جیسی بعض حکومتوں نے اسے باقاعدہ کرنسی کے طور پر تسلیم کر لیا ہے، جب کہ کچھ ملکوں نے اسے بطور کرنسی قرار نہیں دیا لیکن اسے ڈیجیٹل تجارتی اثاثہ واشیا Digital Commodity کے طور پر تسلیم کیا اور ٹیکس بھی عائد کیا اور اس کے ذریعے مختلف شعبوں میں معاملات و تبادلہ اشیا جاری بھی ہے، اور اس میں پائی جانے والی قوت خرید و فروخت کی وجہ سے ربا الفضل و ربا النسیئۃ اس میں ہو سکتا ہے، لہٰذا اس کی ہم جنس کے ذریعے خرید و فروخت کی صورت میں تماثل و تقابض ضروری ہے، علاوہ ازیں اس میں زکاۃ بھی فرض ہو گی۔

6۔ آکسیجن، بجلی اور گیس ٹھوس نہ رہنے کے باوجود جیسے اس کا وجود یقینی ہے اور کرپٹو کرنسی کا معاملہ بھی بالکل اسی طرح ہے۔

7۔ گزشتہ پانچ سالوں میں کرپٹو کرنسی میں بہتری کی شرح نمایاں ہے۔

8۔ جنوبی افریقیا کے قومی ادارے نے کرپٹو کرنسی کو بطور مال تسلیم کیا؟

اور ماہر اسلامی تجارت ڈاکٹر سعد بن ترکی حفظہ اللہ نے ایک سال قبل شبکۃ المجد کے پروگرام الجواب الکافي میں فرمایا کہ کرپٹو کرنسی کے ذریعے معاملات جواز سے قریب ترین ہیں کیوں کہ وہ اب مقبول و متداول ذریعۂ مبادلہ فروخت کی جانے والی شے کے لیے قیمت کی تعیین کا ایک معتبر پیمانہ اور حامل ثمنیت بن چکی ہے اور یہی خصوصیات کرنسی قرار دینے کے لیے اہم ہیں بالخصوص کچھ حکومتوں نے اسے بطور کرنسی تسلیم کر لیا اور لوگوں میں یہ رائج بھی ہو چکی اب رہا سنگین خطرات و خدشات کا معاملہ تو وہ Stock Market میں بھی پایا جاتا ہے لیکن اس سے کسی نے منع نہیں کیا اور بڑی احتیاط کے ساتھ کرپٹو کرنسی کے ذریعے معاملہ داری کے قائل ڈاکٹر عبد اللہ العقیل حفظہ اللہ وغیرہ ہیں۔

8۔ کرپٹو کرنسی کی تعدین Mining کو جعالہ پر قیاس کیا گیا اور اس کی اجازت دی گئی۔

تیسرا موقف جمہور کی رائے یہ ہے کہ کرپٹو کرنسی کے ذریعے۔ اس کی موجودہ صورت حال کے پیش نظر۔ معاملہ داری سے بچنا چاہیے، کیوں کہ

1۔ مجمع الفقہ الإسلامي الدولي نے مورخہ 20 / نومبر 2019ء میں قرارداد منظور کی کہ کرپٹو کرنسی محل نظر ہے کہ وہ منفعت ہے یا شے / سلعہ / مبیع ہے، یا کرنسی مال ہے، یا ڈیجیٹل سرمایہ ہے؟ اور شرعی اعتبار سے کیا اس کی قدر و قیمت اور ثمنیت ہے؟

2۔ کرپٹو کرنسی کا محسوس ٹھوس وجود نہیں، بلکہ محض Programming Network ہے جو مال یا رائج کرنسی کی طرح سونے اور چاندی کے حکم میں نہیں۔

3۔ کرپٹو کرنسی اکثر حکومتوں کی جانب سے مسلمہ و تصدیق شدہ کرنسی نہیں، اور نہ ہی حکومت کی جانب سے منظور شدہ مرکزی بنک سے جاری کردہ ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا:

لَا يَصلُحُ ضَربَ الدّرَاهِمِ إلّا فِي دَارِ الضّرْبِ بِإِذْنِ السُلطَانِلَأَنّ النّاسَ إِنْ رُخِصَ لَهُمْ رَكِبُوا الْعَظَائِمَ — (الأحكام السلطانية لأبي يعلى الفراء فصل في وضع الخراج والجزية: 181)

”کرنسی کی صنعت صرف حاکم کی اجازت سے حکومتی ادارے ہی میں ہونی چاہیے کیوں کہ لوگوں کو اگر اس کی اجازت مل جائے تو وہ بڑی غلطیاں اور من مانیاں کرنے لگیں گے۔“

اہل علم نے مزید کہا کہ

يُكْرَهُ لِلرَعِيَةِ ضَرْبُ الدَرَاهِمِ وَإِنْ كَانَتْ خَالِصَةً فَإِنّهُ مِنْ شَأْنِ الْإِمَامِ —
(العزیز شرح الوجیز للرافعی: 91)

”درہم خالص ہی کیوں نہ ہو تب بھی حکم کے اعتبار سے مکروہ ہے کہ رعایا اس کی صنعت کریں کیوں کہ کرنسی کی صنعت حاکم وقت کی خصوصیت اور امتیاز ہے۔“

4۔ لاشے اور عدم سے کرپٹو کرنسی کی ایجاد کا طریقہ کار سود کا سبب بنتا ہے کیوں کہ اس شکل میں تقابض فورا ممکن نہیں جب کہ سود سے بچنے کے لیے کرنسی میں مماثلت اور تقابض فوراً لازمی ہے علاوہ ازیں اس کے کچھ معاملات میں تو سود Usury/ interest کا کھلا تصور پایا جاتا ہے۔

5۔ کرپٹو کرنسی ایسی فرضی اور وہی کرنسی ہے جس کی ایجاد کا اختیار مخصوص افراد تک محدود ہے نتیجتاً جہاں کچھ افراد بے انتہا مال دار بن سکتے ہیں وہاں کچھ لوگ بالکل مفلس و قلاش ہو سکتے ہیں اور شریعت نے جن حکمتوں کے پیش نظر سود سے منع کیا ان میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ مال کچھ دولت مندوں کے ہاتھ ہی میں گردش کرتا نہ رہ جائے:

﴿كَىْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَينَ الْأَغْنِيَاءِ مِنكُم﴾ (سورۃ الحشر)

”اور بسا اوقات کچھ لوگ وقت ضرورت خود اپنا مال

واپس لینے سے قاصر وعاجز رہتے ہیں۔"

6۔ حکومتوں کے بغیر افراد کے ذریعے اس کی صنعت احتکار Monopoly اور کاروباری اجارہ داری کا سبب بنتی ہے جس کے مرتکب کو نبی ﷺ نے خطاکار بتایا ہے۔ (صحیح مسلم کتاب المساقاۃ باب تحریم الاحتکار فی الأقوات: 1605 بروایت معمر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ)

7۔ کرپٹو کرنسی کی موجد و نگران کار حکومتیں نہیں بلکہ کچھ ایسے افراد ہیں جو کسی بھی مرکزی قانونی نظام کے پابند نہیں، جس کی وجہ سے اسے ایسا کوئی قانونی تحفظ حاصل نہیں جس کی مدد سے بوقت ضرورت مالی جرائم کی صورت میں قانونی چارہ جوئی کی جاسکے واضح رہے کہ دوسری کرنسیاں کسی نہ کسی طرح Underlying Assests سے منسلک ہوتی ہیں جب کہ کرپٹو کرنسی کا سارا دارومدار Demand Based پر ہوتا ہے۔

8۔ کرپٹو کرنسی کو ثمن/قیمت یا سلعہ/سامان کے طور پر تسلیم کرنے کے لیے ان کا علم ہونا ضروری ہے ورنہ بیع فاسد ہو جاتی ہے جب کہ اس کرنسی کی ایسی ہزاروں اکائیاں بن جاتی ہیں جن کا علم تو کجا ان کا تلفظ بھی عقد کے وقت ممکن نہیں ہوتا۔

9۔ کرپٹو کرنسی کی Value صرف Market کے Fluctuation اتار چڑھاؤ پر مبنی ہے۔

10۔ کرپٹو کرنسی کی قیمت میں غرر Uncertainty یعنی دھوکہ اور جہل یعنی صحیح و دقیق معلومات کی کمی پائی جاتی ہے۔

11۔ کرپٹو کرنسی کی مالیت کبھی ساری دنیا کی تمام کرنسیوں کی مالیت سے کئی گنا زیادہ بتائی جاتی ہے، جس کی پابجائی کی ذمہ دار کوئی حکومت نہیں، لہٰذا ایسی صورت حال میں بعض ممالک کا اسے قانوناً کرنسی تسلیم کرلینا بھی کچھ معنی نہیں رکھتا۔

12۔ کرپٹو کرنسی میں High Risk Investment خطرے کا تناسب اس قدر انتہائی زائد رہتا ہے کہ مختصر سی مدت میں Value کا اتار چڑھاؤ Speculation بے تحاشہ انداز میں پیش آتا ہے جو جوے Gambling سے مشابہ لگتا ہے۔ (سورۃ المائدۃ: 90)

اور اس کی Value ڈرامائی طور پر تبدیل ہو سکتی ہے۔

امام ابن ابی العز رحمہ اللہ نے فرمایا کہ

يَجِبْ أَنْ تَكُونَ مَحْدُودَةً لَاتَرْتَفِعُ قِيمَتَهَا وَلَا تَنْقُصُ وَقَدْ حُرِمَ فِيْهِمَا رِبَا النَسِيْئَةِ لِمَا فِيْهِ مِنَ الضَرَرِ بِالمَحَاوِيجِ

(التنبیہ علی مشکلات الھدایۃ کتاب البیوع علۃ ماسوی الأصناف الربویۃ الستۃ: 413)

"دینار و درہم جیسی ثمنیت کی حامل کرنسیوں کے لیے اس قدر استقرار کے ساتھ رہنا ضروری ہے کہ ان کی قیمتوں میں بے تحاشہ اضافہ بھی نہ ہو اور غیر معقول گراوٹ بھی نہ آئے اسی لیے ان میں تاخیر کی وجہ سے سودی سبب ربا النسیہ حرام کیا گیا کیوں کہ اس میں ضرورت مندوں کے لیے نقصان ہے۔

امام ابن قیم رحمہ اللہ نے فرمایا:

يَجِبْ أَنْ يَكُونَ مَحْدُودًا مَضْبُوطًا لَا يَرْتَفِعُ وَلَا يَنْخَفِضُ

(اعلام الموقعین عن رب العالمین فصل حکمۃ تحریم ربا النساء فی المطعوم: 2/ 105)

"کرنسیوں کی قیمت انتہائی دقیق انداز سے متعین رہنی چاہیے تا کہ اس میں بے تحاشہ اچھال بھی نہ لائے اور غیر معمولی گراوٹ بھی نہ آئے۔"

شائد اسی لیے کچھ اہل علم نے کرپٹو کرنسی معاملات کو فاریکس ٹریڈنگ کی طرح سود اور جوے کی ایک شکل بتائی۔

13۔ کرپٹو کرنسی Hackable ہے جس پر سائبر حملے ہو سکتے ہیں۔

کبھی بھی وائرس سے متاثر مشکلات کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔

14۔ کرپٹو کرنسی کی خانگی و غیر حکومتی کمپنیاں غیر ذمہ دارانہ انداز سے کبھی بھی بند ہو سکتی ہیں اور ایسا معاملہ مقصد شریعت تحفظ مال Respect to wealth کے عین منافی ہے۔

15۔ کرپٹو کرنسی کے ذریعے منی لانڈرنگ Money Laundering جیسی غیر قانونی سرگرمیاں اور دہشت گردی جیسے جرائم انجام پاسکتے ہیں۔

6۔ کرپٹو کرنسی کی Electronic Wallets کبھی بھی قرق ہو سکتی ہیں، اور ان کے مواد و مضمون کی چوری بھی ممکن ہے۔

17۔ کرپٹو کرنسی کا نظام معتبر بینکوں کے جاری نظام کو درہم برہم کر سکتا ہے۔

18۔ اگر Backup Strategy نہ ہو اور Computer یا Mobile Device گم یا چوری ہو جائے تو سارا سرمایہ نا قابل تلافی شکل میں ضائع ہو جائے گا۔

19۔ کرپٹو کرنسی Payments عام طور پر Reversible یعنی واپس نہیں کی جاسکتی ہیں۔

20۔ کرپٹو کرنسی کے ذریعے Transactions کی صورت میں نجی معلومات کا افشا بھی ممکن ہے۔

21۔ کرپٹو کرنسی کے ذریعے Fraud اور Scam دھوکے اور گھوٹالے کا تناسب زیادہ دیکھا گیا۔

22۔ کرپٹو کرنسی کے ذریعے Online Dating جیسی مخرب اخلاق حرکات عام طور پر زیادہ ہوتی نظر آئیں۔

23۔ دبی کی الهيئة العامة للشؤون الإسلامية والأوقاف مورخہ 30/1/2018 مورخہ 15 ستمبر 2019ء میں جامعہ قطر میں منعقدہ کانفرس قومی علما کونسل انڈ دار الافتاء العراقیہ دار الافتاء اللیبیۃ فلسطین کی مجلس الافتاء الاعلی دار الافتاء المصریہ کے امین الفتوی شیخ محمد عبدالسمیع مصر کے مفتی اعظم شوقی علام اور استاذ محترم شیخ سلیمان الرحیلی حفظہ

اللہ اور فقہ حنفی کے علما میں مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب ودیگر نے اس پر حرمت کا فتوی جاری کیا۔

چوتھا موقف کرپٹو کرنسی ابھی بیع الثمار قبل بدو صلاحھا کی طرح ارتقائی مراحل سے ایک Vehicle سواری کی طرح گزر رہی ہے جو کرنسی کو نقل کرنے کا وسیلہ ہے جس کے ذریعے معاملہ داری کی صورت جس روز شرعی احکام کے عین مطابق ہو جائے گی تو اس وقت اس کے جواز میں کوئی شبہ نہیں ہو گا۔

تحیہ کچھ اہل علم نے کرپٹو کرنسی کو سلعہ صحیح / قابل فروخت ہے قرار دیا اور اس کے لیے جواز کا پہلو فراہم کیا جب کہ اس کے موجد اور تضمین وصارفین سب نے اسے کرنسی کا نام دیا اور اس کی معاملہ داری یا اس کے ذریعے معاملہ داری کرنسی کی نیت سے کی جاتی ہے واللہ اعلم۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ کرپٹو کرنسی :

ذریعہ مبادلہ کی جدید شکیل ہے، جس کی مالیت فرضی ہے کچھ اہل علم نے اس کے تیئں توقف اختیار کیا اور مزید تحقیق طلب مسئلہ بتایا تو کچھ اہل علم نے اس کو شرعاً معتبر مال اور کچھ نے سلعہ و بیع جانا اور معاملہ داری کی اجازت دی جب کہ جمہور علمانے کرپٹو کرنسی کی ماہیت اور اس کے خارجی عوامل کے پیش نظر اس کی معاملہ داری حرام قرار دی اور بعض اہل علم نے مشروط ومحتاط انداز سے تفصیلی بات کہی کہ جب شرعی ممانعتیں ختم ہوں گی اس وقت اس کی اجازت ہوگی لیکن سرسری و ظاہری مصلحت ، اور فوائد وسہولیات پر نقصانات کے غالب پہلوؤں اور اکثر اہل علم کے موقف کے پیش نظر کرپٹو کرنسی کی خرید و فروخت یا اس کے ذریعے کسی بھی معاملہ داری سے بچنا بہتر ہے۔ واللہ اعلم، وصلی اللہ علی النبی وسلم۔

تیار کردہ: بمناسبت اسلام کا نظام تجارت کانفرس زیر اہتمام اسلامک انفارمیشن سینٹر بمبئی 13/ اکتوبر 2024ء

☆☆☆

پروفیسر سینیٹر علامہ ساجد میر کا سانحہ ارتحال

دنیا کی عظیم ہستی اور ہمارے محبوب قائد علامہ ساجد میر خاموشی سے اللہ کے ہاں چلے گئے۔ برمنگھم میں ان کی نماز جنازہ غائبانہ ادا کی گئی۔ جمعیہ کا ایک سنہری باب بند ہو گیا۔ امیر مرکزی جمعیۃ اہلحدیث پاکستان اور ساری دنیا میں آباد کتاب وسنت کے حاملین کے محبوب قائد اور صلاحیت اور صالحیت کا پیکر اور ایک عبقری شخصیت علامہ حافظ ساجد میر بعمر 86 سال اپنے وطن مالوف سیالکوٹ میں داعی اجل کو لبیک کہہ گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

اب دور دور تک ایسی بے لوث ہستی عنقا نظر آتی ہے۔ سلفیان عالم کے دل مجروح اور غمگین ہیں اور برمنگھم میں واقع جمعیۃ اہلحدیث کے قائدین نے جامع مسجد محمدی ہارٹپ روڈ الم راک برمنگھم میں 4/ مئی 2025ء کو ان کی نماز جنازہ غائبانہ ادا کی گئی۔ مولانا محمد عبد الہادی العمری نے علامہ صاحب کی نماز جنازہ غائبانہ پڑھائی۔ نماز سے قبل مرکزی جمعیت اہلحدیث برطانیہ کے ناظم اعلیٰ قاری ذکاء اللہ سلیم نے عبقری شخصیت علامہ ساجد میر کے محاسن پر روشنی ڈالی اور کہا کہ اللہ تعالیٰ اسی فیلڈ کو پُر فرمائے اور جمعیۃ کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے۔ بعد نماز غائبانہ علماء اور قائدین نے اپنے تاثرات رانج و غم کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ علامہ ساجد میر بے لوث ہستی تھے جو ساری زندگی کتاب وسنت کی بالائی کے لیے جدوجہد کرتے رہے۔ مولانا محمد عبد الکریم ثاقب، مولانا شیر خان جمیل احمد عمری، مولانا محمد حفیظ اللہ خان المدنی، حاجی عبد الغفور امیر مسجد وجمیعہ، حاجی اللہ دتہ، قاری عبد السمیع، قاری عبد الصمد، قاری حفیظ الرحمٰن، محمد عبد الرؤف ریاضی، محمد ریاض رحمانی اور ڈاکٹر عبد الرب ثاقب اور بہت سے معززین شامل جنازہ تھے۔ 1992ء سے مسلسل امیر کے عہدہ پر فائز رہے اور جمعیۃ کے کام کو بہت آگے بڑھایا۔ دیگر جماعتوں کے رہنما و قائدین بھی آپ کا احترام کرتے تھے، اسی لیے کہ آپ کا انداز جارحانہ نہیں بلکہ ناصحانہ ہوتا تھا۔

خدا بخش بہت سی خوبیاں علامہ ساجد میر میں

☆☆☆

ذوالحجہ کے نو روزے رکھنا مسنون عمل ہے!

ذوالحجہ کے ابتدائی نو دنوں کے روزے رکھنا نبیؐ کی سنت اور مستحب عمل ہے لہذا ان دنوں کے روزوں کا اہتمام مشروع ہے۔ بعض امہات المؤمنین سے مروی ہے:

بلاشبہ نبی ﷺ ذوالحجہ کے پہلے نو دن کا 'دس محرم کا' ہر مہینے تین دن اور مہینے کی پہلی سوموار اور جمعرات کا روزہ رکھا کرتے تھے۔ (سنن ابو داود: 2437)

اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ اس کے تمام راوی ثقہ ہیں اور ہنیدہ بن خالد صحابی اور ان کی زوجہ محترمہ صحابیہ ہیں لہذا ان کا غیر معروف ہونا قادح نہیں۔ ایک تعارض اور اس کا حل: مذکورہ بالا حدیث دلیل ہے کہ ذوالحجہ کے ابتدائی نو دنوں کے روزے رکھنا مسنون و مستحب عمل ہے۔ لیکن اس بیان کردہ حدیث کے معارض سیدہ عائشہؓ کی یہ حدیث ہے: میں نے رسول اللہ ﷺ کو ذوالحجہ کے دس دنوں میں کبھی بھی روزہ کی حالت میں نہیں دیکھا۔ (صحیح مسلم: 1176) اس تعارض کا حل امام نووی یوں پیش کرتے ہیں: علماء بیان کرتے ہیں کہ حدیثِ عائشہؓ سے وہم پیدا ہوتا ہے کہ عشرہ ذوالحجہ کے روزے مکروہ ہیں- یہاں عشرہ ذوالحجہ سے مراد ذوالحجہ کے ابتدائی نو دن ہیں۔ یہ مفہوم کشید کرنے سے ان روزوں کی کراہت پابت نہیں ہوتی بلکہ ان دنوں کے روزے بہت ہی مستحب ہیں۔ بالخصوص نو ذی الحجہ یعنی عرفہ کا روزہ تو خاص استحباب کا حامل ہے اس کی فضیلت کے متعلق احادیث گزر چکی ہیں اور صحیح بخاری میں مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عشرہ ذی الحجہ کے مقابلے میں باقی ایام کی عبادات افضل نہیں۔ (یہ روایت دلیل ہے کہ دیگر عبادات کی طرح ان دنوں کے روزے بھی افضل و مستحب ہیں) حدیثِ عائشہؓ کہ رسول اللہ ﷺ نے عشرہ ذوالحجہ کے روزے نہیں رکھے' سے یہ مفہوم اخذ کیا جائے کہ ہو سکتا ہے کہ آپؐ نے کسی عارضے 'مرض یا سفر وغیرہ کی وجہ سے ان دنوں کے روزے نہ رکھے ہوں یا عائشہؓ نے آپ کو ان دنوں میں روزے سے نہ دیکھا ہو اور ان کی نفی سے حقیقت میں روزوں کی نفی لازم نہیں آتی کیونکہ ان روزوں کے اثبات پر ابو داود اور سنن نسائی کی یہ روایت بھی دالّ ہے کہ رسول اللہ ﷺ ذوالحجہ کے نو روزے رکھا کرتے تھے۔ (شرح النووی 8/72)



(اشراک فی العقیدہ   یہ ہے کہ خدا تعالی کے او صاف) رزق و روزی دینا، اولاد عطا کرنا، زمین و آسمان میں تصرف کرنا،) پیر و پیغمبر، جن و پری، فر شتوں یا اور مخلوق میں ثابت کریں، اگر چہ تھوڑا ہی ہو۔ پس جو شخص اس بات کا اعتقاد کرے کہ انبیاء یا ملا ئکہ یا کوئی اور، خدا کے سوا آسمان سے پانی برسانے میں، زمین سے دانہ نکالنے، کسی کو اولاد دینے یا مارڈا لنے یا اندھا بہرہ کرنے یا دوسرے کو ضرر و نقصان پہنچانے یا رزق و دولت دینے کا اختیار ہے تو ایسا عقیدہ رکھنے والہ مشرک ہے۔ پس اللہ کے سوا کسی اور کو بایں طور پکارنا کہ اے شخص! میری حاجت روا کر، خا لص کفر ہے کیونکہ خدا فرماتا ہے ایاک نعبد و ایاک نستعین یعنی ہم خاص تجھی کو پوجتے اور تجھی سے مدد چاہتے ہیں (شعر کا ترجمہ۔ میں آدمی سے مدد نہیں چا ہتا۔ خدا کے سوا کسی اور کی طرف میری راہ نہیں ہے) خدا تعالیٰ، جناب رسول اللہ ﷺ کے باب میں، جو صرف خلق ہی کی ہدایت کے واسطے حق کی طرف سے آئے تھے، ارشاد فرماتا ہے: اے محمد! تم جس کو چاہو راہ پر نہیں لگا سکتے، لیکن خدا جسے چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے۔

معلوم ہوا کہ خدا کے سوا اور کسی شخص کے ہاتھ میں ہدایت کی باگ نہیں ہے۔ علی ھذا القیاس کسی نبی اور ولی اور فرشتے کو قیامت میں کسی قسم کے تصرف اور د خل کی گنجائش نہ ہو گی تاکہ کسی کو جنت اور کسی کو دوزخ میں لے جائے۔ حق تعالی فرماتا ہے:

﴿يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْـًٔا ۖ وَالْأَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلَّهِ﴾

یعنی قیامت کے دن کوئی کسی کا کسی چیز میں مالک نہ ہو گا۔ اس دن ہر چیز کا حکم خدا ہی کیلئے ہو گا۔ قیامت کا دن ایسا ہولناک ہو گا کہ ماں باپ اولاد کو نہ پوچھیں گے۔ اور اولاد ماں باپ کا منہ نہ دیکھیں گے۔ استاد شا گردوں سے بے گانے ہوں، پیر مریدوں کے سامنے سے چلتے بنیں گے۔ دنیا میں جن کی پیروی کی جاتی ہے وہ اپنے فرمانبر داروں سے بیزار ہوں گے۔ اور فرمانبر دار لوگ ان سے جن کی یہ اطاعت کرتے تھے، لڑیں گے۔

آدمی جس طرح دنیا میں اکثر اوقات شفاعت کا حال دیکھتے ہیں اسی طرح آخرت میں شفاعت کا گمان کرتے ہیں۔ مثلاً بادشاہ نے ایک چور کے ہاتھ کاٹنے کا اشارہ کیا۔ وزیر یا ارکان دولت میں سے کسی اور شخص نے اس کی سفارش کی۔ بادشاہ نے خیال کیا کہ اگر ان کی سفارش قبول نہیں کرتا تو میری سلطنت کو خلل عظیم پہنچتا ہے۔ ناچار بادشاہ نے ان کی سفارش کی وجہ سے اپنے قصد اور ارادے کو باز رکھا۔ یا بادشاہ کی بیوی اس کی سفارش کرتی ہے اور بادشاہ اس محبوبہ کی محبت کے سبب سے اپنے پر جبر اختیار کر کے چور کی رہائی کرتا ہے۔ سو خیال کرنا چاہیے کہ ان باتوں میں خواہش کا رد کرنا لازم آتا ہے، اور جبر پیدا ہوتا ہے۔ قیامت کے دن اس قادر مختار کی جناب میں اس قسم کا معاملہ کس طرح واقع ہونے لگا؟ کیونکہ لا رآد لقضائہ۔ اس کی خواہش و ارادہ کوئی پھیر نہیں سکتا۔

یا آدمی شفاعت کے یہ معنی سمجھتے ہیں کہ ایک شخص اپنا بدلہ لینا چاہتا ہے۔ مگر دوسرے کی ممانعت کی و جہ سے بدلہ نہیں لے سکتا۔ سو خدا کے حضور میں یہ بات ہرگز محقق نہیں ہے۔ اس کی شان تو اس قسم کے صریح نقصان سے پاک ہے۔ ارشاد ہے:

﴿وَاتَّقُوا يَوْمًا لَّا تَجْزِي نَفْسٌ عَن نَّفْسٍ شَيْئًا وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ﴾

کہ اے لوگو! اس دن سے خوف کرو جس میں کوئی نفس کسی نفس سے کچھ بھی کفایت نہ کریگا اور نہ اس کی سفارش قبول ہو گی، نہ کسی سے بدلہ لیا جائے گا اور نہ وہ مدد دیے جائیں گے۔

مگر بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ آیت اور اس جیسی دیگر آیتیں کافروں کے حق میں اتری ہیں حالانکہ یہاں لفظ لا نکرہ آیا ہے۔ جو عموم و شمول پر دلالت کیا کرتا ہے۔ پس اس شبہ کے دفعیہ میں خدا نے مومنوں کو خطاب کیا کہ اے ایمان والو! جو چیز ہم نے تم کو دی ہے اس میں سے خرچ کرو۔ اور اس دن کے آنے سے پہلے جس میں نہ بیع ہے (یعنی نہ تو گناہ بیچ کر نیکی خریدی جائے گی) اور نہ کوئی شخص کسی کی دوستی کی و جہ سے بخشا جائے گا اور نہ کسی کو کسی کی سفارش نفع دے گی کیونکہ اس قسم کی شفاعت کے قبول کرنے میں جبر لازم آتا ہے۔ پس واضح ہو گیا کہ یہ آیت مسلمانوں کے حق میں نازل فرمائی ہے۔ کس لئے کہ خطاب انہی سے ہوا ہے۔

شفاعت کی ایک دوسری قسم بھی ہے جس میں جبر لازم نہیں آتا۔ اس کی مثال یوں سمجھنی چاہیے کہ ایک خوش نویس چور کو بادشاہ کے دربار میں لوگوں نے حاضر کیا۔ بادشاہ نے اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم فرمایا۔ مگر ایک اور شخص نے بادشاہ کے حضور میں عر ض کی کہ یہ گنہ گار خط خوب لکھتا ہے، اگر اس کے ہاتھ نہ کاٹے جائیں گے تو اس شہر میں خوش نویس کا و جود باقی رہے گا۔ اس خبر کے سننے سے بادشاہ کا ارادہ خود بخود بدون اس کے کہ کوئی اس پر جبر کرے، بدل جاتا ہے اور کسی قسم کا جبر لازم نہیں آتا۔ اتنی بات ضرور ہے کہ ایک شخص مجرم کے وصفوں میں سے ایک ایسا وصف بیان کرتا ہے جس سے بادشاہ غافل تھا۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ

قیامت کے دن ہماری جناب میں اس قسم کی بھی

سفارش واقع نہ ہو گی۔ چنانچہ فرمایا:۔ اور خدا کے علاوہ ان کو پوجتے ہیں جو انہیں نہ ضرر دیتے ہیں اور نہ نفع پہنچاتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ یہ خدا تعالی کے پاس ہماری شفاعت کرنے والے ہیں۔ اے محمد ﷺ تم کہدو۔ کیا آگاہ کرتے ہو خدا کو اس چیز سے جسے وہ آسمان وزمین میں نہیں جانتا۔ خدا پاک اور بزرگ ہے اس چیز سے کہ شریک کرتے ہیں۔

﴿وَيَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنفَعُهُمْ وَيَقُولُونَ هَٰؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِندَ اللَّهِ ۚ قُلْ أَتُنَبِّئُونَ اللَّهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ ۚ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ﴾

یعنی جو چیز زمین اور آسمان میں ہے، خدا اسے خوب جانتا ہے کیونکہ وہ عالم الغیب ہے۔ اور بندے اس کے مخلوق ہیں۔ نیز وہ ہر بندہ کی بھلائی برائی خود ہی خوب جانتا ہے۔ اس کے سامنے دوسروں کے بیان کرنے کی کوئی حاجت نہیں۔ پس اس قسم کی شفاعت میں ہر چند کہ جبر لازم نہیں آتا لیکن اس عالم الغیب والشّھادۃ کی لاعلمی لازم آتی ہے۔ (اس کی شان اس سے برتر ہے)

شفاعت کا ایک اور طریقہ بھی ہے، جس کی مثال یہ ہے کہ چار چور ایک ہی وقت میں بادشاہ کے سامنے گرفتار ہو کر آئے۔ تین تو ان میں سے چوری اور عیاری کے فن میں نہایت ہشیار اور سلطانی غضب سے بے باک تھے اور ایک ان میں پرہیز گار آدمی تھا جو اتفاقاً شیطان کے مکروفریب میں آکر اس برے فعل میں مبتلا ہو گیا تھا۔ اب بادشاہ کے حضور میں آنکھوں سے آنسو بہاتا اور گناہ کی شرمندگی سے سر اوپر نہیں اٹھاتا ہے جس سے بادشاہ نے معلوم کر لیا کہ یہ بے چارہ اس برے فعل میں ناگہاں گرفتار ہو گیا ہے، اس نے چوری کا پیشہ مقرر نہیں کیا۔ اس وقت بادشاہ کی مہربانی گو اس کی عفو تقصیر کی طرف متوجہ ہوتی ہے مگر سلطنت کا قانون اس بات کو نہیں چاہتا کہ ایک کو بخش دیں اور دوسروں کے ہاتھ کاٹیں۔ اس وقت بادشاہ خود کوئی سبب ڈھونڈتا ہے اور حاضرین دربار میں سے ایک شخص کو خفیہ اشارہ کرتا ہے کہ تو فلاں شخص کی سفارش کر، تاکہ میں اسے بخش دوں۔ اس اشارہ کے سمجھتے ہی مقربان مجلس میں سے وہ شخص شفاعت کی پیشانی زمین پر گھستا ہے کہ اس مجرم کا ہم سے تعلق ہے اگر آپ اس کی تقصیر کو معاف فرمائیں گے تو احسان پر احسان ہو گا۔ یہ حال دیکھ کر بادشاہ بدلہ لینے سے در گذر کرتا ہے۔ پس اس قسم کی شفاعت سے کوئی جبر لازم نہیں آتا بلکہ اس کی رضا اور خواہش اس میں تھی جو واقع ہوا۔ سو قیامت کے دن شفاعت کی یہ ہی صورت متحقق ہو گی جس کی طرف اللہ نے یوں اشارہ فرمایا ہے:

﴿مَن ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِندَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ﴾

کہ کون شخص ہے جو اللہ کے پاس سفارش کرے مگر اس کی اجازت کے ساتھ۔ پس جس شخص کے حق میں اجازت ہو گی اس کی سفارش جلوہ گر ہو گی اور اگر عیاذاً باللہ ارادہء الٰہی کسی کے بدلہ لینے پر متعلق ہو گا تو کس کو طاقت ہو گی جو اس کے حضور میں شفاعت کا دم مارے۔ پس خدا تعالی کو راضی کرنا چاہیے جس کے ہاتھ میں شفاعت کی باگ ہے اور در حقیقت سفارش کرنے والی بھی وہی پاک اور بے پرواہ ذات ہے چنانچہ اسی معنی کی طرف اشارہ فرماتے ہیں:

﴿قُل لِّلَّهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيعًا﴾

اے محمد ﷺ تم کہہ دو کہ خاص خدا ہی کے واسطے تمام سفارش ہے۔ یعنی شفاعت بھی کسی دوسرے کے ہاتھ میں نہیں ہے۔

یہ شفاعت کا حال ہے جس کی حقیقت اور کنہ سے اکثر نادان لوگ ناواقف ہیں۔ پس مسلمان کو چاہیے کہ پیغمبروں اور ولیوں میں سے کسی کو بھی دین و دنیا کے نفع وضرر پہچانے پر قادر نہ جانے۔ چنانچہ یہی معنی اس آیت سے مقصود ہیں:

﴿قُل لَّا أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعًا وَلَا ضَرًّا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ ۚ وَلَوْ كُنتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوءُ ۚ إِنْ أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ وَبَشِيرٌ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ﴾

کہ اے محمد! آپ فرما دیجئے کہ میں اپنے لئے نفع و ضرر پہچانے کی طاقت نہیں رکھتا مگر جو خدا نے چاہا، اور اگر میں علم غیب جانتا تو منفعت کی جنس سے بہت کچھ جمع کر لیتا اور مجھے کوئی سختی نہ پہنچتی۔ میرا کام بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ میں ڈرانے والہ، اور جو لوگ یقین رکھتے ہیں انہیں خوشی سنانے والا ہوں۔ خلاصہ مطلب یہ ہے کہ پیغمبر ﷺ باوجودیکہ خدا کے رسول ہیں مگر تب بھی اپنی جان کو نفع پہچانے اور ضرر سے باز رکھنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ نیز حق تعالی فرماتا ہے کہ اے محمد! تم کہہ دو میں ہرگز علم غیب نہیں جانتا۔ یہ تو محض خدا کا خاصہ ہے۔ اگر میں علم غیب جانتا تو بہت بھلائیاں جمع کر لیتا اور مجھے کوئی بھی نقصان نہ پہنچتا۔ مثلاً۔۔۔ اگر مجھے علم ہوتا کہ جنگ احد میں شکست ہو گی، تو اس روز جنگ نہ کرتا۔ تم جو ہمارے ساتھ یہ اعتقاد رکھتے ہو کہ جس وقت ہم اپنے پیغمبر کو یاد کرتے ہیں، وہ سن لیتا ہے اور ہر آنے والی چیز کو یا جو نظر سے غائب ہے اسے خوب جانتا ہے، محض غلط ہے۔ میں اس قسم کا آدمی نہیں ہوں۔ میرا کام تو عذاب الٰہی سے ڈرانا اور غیر متناہی نعمتوں کی خوشخبری سنانا ہے اور یہ بھی صرف انہی لوگوں کو جو ہماری باتوں پر یقین رکھتے ہیں۔ کوئی اتنا بھی نہیں جانتا کہ ہماری پیٹھ پیچھے کیا ہے اور شام کو کیا ظاہر ہو گا۔ نیز دوسری آیت میں فرماتے ہیں:

﴿وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ﴾

کہ آدمی، خدا کے علم میں سے کچھ بھی احاطہ نہیں کر سکتے، مگر اسی قدر کہ خدا نے چاہا۔ معلوم ہوا کہ جو چیز خدا کے علم میں ہے وہ بندہ کی نظر سے غائب ہے اور اس میں سے بندہ کو کچھ بھی معلوم نہیں ہو سکتا، ہاں جس قدر خدا چاہتا ہے، اتنا علم دے دیتا ہے۔ پس یہ بھی خدا کے اختیار میں ہے نہ بندہ کے اختیار میں)۔

☆☆☆

